بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰۸

حویلی کا اسرار

اشتیاق احمد

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

بار اوّل :

طابع : اشتیاق احمد

مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

خوشنویس : مہر عبدالشکور، راہوالی

سرورق : محمد جاوید، پتافی لاہور

طباعت سرورق : سپریم پرنٹرز، لاہور

قیمت : چھ روپے

اشتیاق پبلیکیشنز، راجپوت مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

حدیث شریف :

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

جس کسی کو دعوت دی گئی اور اس نے قبول نہ کی، تو اس نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کی اور جو بن بلائے کسی دعوت میں پہنچ گیا تو وہ (درحقیقت) چور بن کر داخل ہوا اور ڈاکو بن کر (وہاں سے) نکلا۔

(مشکوٰۃ)

تشریح : آپس میں محبت پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک دوسرے کو دعوت اور تحفے تحائف دیے جائیں، جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے بلانے پر بھی اس کی دعوت قبول نہیں کرتا تو گویا اس نے نافرمانی کی — دوسرے یہ کہ بن بلائے دعوت میں شریک ہونا کمینے پن کی علامت ہے، لیکن اگر بہت ہی بے تکلفانہ قسم کے تعلقات ہیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی شرعی عذر کی وجہ سے اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی دعوت قبول نہیں کرتا تو وہ نافرمانی کا مرتکب نہیں ہوگا۔

دو باتیں

کچھ پڑھنے والوں کا کہنا ہے کہ آپ کے بعض ناولوں کی دو باتیں بالکل پلّے نہیں پڑتیں — ان کی یہ بات سن کر اور پڑھ کر مجھے بہت حیرت ہوتی ہے — کیونکہ میں تو بہت ہی سادہ الفاظ استعمال کرنے کا عادی ہوں نہ صرف ناولوں میں، بلکہ دو باتیں میں بھی — پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ دو باتیں کسی پڑھنے والے کے پلّے نہ پڑیں — ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بات کسی مصلحت کے تحت اشارے کنایے میں لکھ دی جائے اور آپ اسے نہ سمجھ سکیں، لیکن ایسا کسی مجبوری کی بنا پر ہوتا ہے — آپ ایسا کریں کہ اشاروں اور کنایوں کو سمجھنے کی کوشش ابھی سے شروع کر دیں — ایک دن آپ اشاروں کنایوں کو اس طرح سمجھنے لگ جائیں گے کہ پھر سیدھی سادی عبارتیں آپ کو ایک آنکھ نہیں بھایا کریں گی — ہو سکتا ہے، اس صورت میں آپ یہ شکایت داغ دیں۔ آپ کی اس بار کی دو باتیں

اشاروں کنایوں سے بالکل خالی تھیں، سمجھ میں نہیں آسکیں — اگر ایسا لکھا ہوا مل گیا تو میں یقیناً اپنا سر پیٹ لوں گا — خدا ایسے وقت سے بچائے — آمین!

تو یہ تھیں اس بار کی اشاروں اور کنایوں والی دو باتیں —

ناول پڑھنے سے پہلے :

یہ دیکھ لیں کہ

○ یہ وقت نماز کا تو نہیں؟

○ آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔ کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں؟

○ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

○ آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا؟

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی بات ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

مخلص :
اشتیاق احمد

نیک خیال

"یار فاروق، یہ لڑکا مجھے بہت عجیب سا لگتا ہے۔" محمود نے فاروق کی پسلیوں میں اپنی کہنی سے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔

"تو یہ بات بتانے کے لیے میری پسلیوں کو تکلیف کیوں دے رہے ہو۔ تمہیں لگتا ہوگا عجیب، مجھے تو غریب بھی نہیں لگ رہا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی ذرا غور سے دیکھو۔ جب سے آیا ہے، آنکھوں سے آنسو نہیں رکے۔ کیوں نہ ہم اس کے رونے کا سبب پوچھیں۔"

"ضرور پوچھیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اگر اسے مدد کی ضرورت ہو تو..... لیکن نہیں، اس کے کپڑے تو بہت قیمتی ہیں۔" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں، ایسی کوئی بات نہیں لگتی۔ خیر آؤ، ہم اس وقت فارغ تو ہیں ہی۔" محمود اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اس وقت سکول کے کمرے میں تھے۔ پیریڈ خالی تھا، جس

لڑکے کا ذکر ہو رہا تھا، وہ آج ہی ان کی کلاس میں داخل ہوا تھا۔ کسی دوسرے سکول سے تبدیل ہو کر آیا تھا اور جب سے آیا تھا، روئے جا رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے، اسے اپنا پہلا سکول چھوڑنے کا دکھ ہو۔ یا پھر وہاں اس کے کچھ دوست ہوں، ان کی یاد اسے ستا رہی ہو۔"

"اگر ایسی بات ہے تو پھر اسے سکول تبدیل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" محمود نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہم یہ بات تو اس سے پوچھ ہی سکتے ہیں۔"

دونوں اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس کے قریب جا کھڑے ہوئے۔

"میں محمود ہوں اور یہ فاروق۔" محمود نے کھنکار کر کہا۔ اس نے چونک کر نظریں اٹھائیں تو دو آنسو اس کے گالوں پر لڑھک آئے۔

"اور میں حارث مینر ہوں۔" اس نے تعارف کرایا۔

"جس سکول کو چھوڑ کر آئے ہیں، وہ یاد آ رہا ہے؟"

"نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"وہاں کچھ گہرے دوست تھے، ان کی یاد آ رہی ہے۔" فاروق بولا۔

"نن، نہیں۔"

"تب پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"مم، میرے ابّا جان کا....." وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"اوہ، ہم سمجھ گئے۔ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔ آج شاید ان کا کوئی دن ہے۔ شاید ان کی برسی ہو گی۔ اس لیے آپ روئے جا رہے ہیں۔"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر کیا آپ کے ابّا جان کسی دوسرے ملک گئے ہوئے ہیں؟"

"نہیں، یہ بات بھی نہیں۔"

"تب پھر کیا بات ہے؟"

اسی وقت گھنٹی بجی۔ یہ چھٹی کا اعلان تھا۔ سب لڑکے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ دونوں میرے گھر آ جائیں۔ بات آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ یہ رہا میرا پتا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک سنہری رنگ کا کارڈ ان کی طرف بڑھا دیا۔ محمود نے کارڈ لے لیا اور اس پر نظریں جما دیں۔ کارڈ پر شیخ محمد مینر درج تھا۔

"تو یہ آپ کے والد کا نام ہے؟" محمود نے نظریں اٹھائیں اور پھر چونک اٹھا، کیونکہ حارث مینر جا چکا تھا۔

"یہ تو واقعی عجیب لڑکا ہے۔ ہمیں الجھن میں ڈال گیا۔" فاروق بڑبڑایا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ ہم بھی اس کے گھر جا کر اسے الجھن

میں ڈال دیں گے۔" محمود مسکرایا۔

"کیا ضرورت ہے، ہم ان کے معاملات میں ٹانگ کیوں اڑائیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ذرا سوچو، اس کے والد فوت نہیں ہوئے۔ نہ کسی دوسرے ملک میں گئے ہوئے ہیں، پھر وہ کیوں ان کے لیے پریشان ہے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"ذرا کیا، میں تو خوب سوچ چکا ہوں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اس کے والد بیمار ہیں۔" فاروق نے پر زور لہجے میں کہا۔

"ہوں، بات اگر صرف اتنی سی ہوتی، تو وہ ہمیں اس پراسرار انداز میں کارڈ دے کر چلا نہ جاتا۔" محمود نے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر تمہیں اتنی ہی بے چینی محسوس ہو رہی ہے تو جا کر معلوم کر آنا۔ آؤ اب چلیں۔" فاروق بولا۔

"گویا تم میرا ساتھ نہیں دو گے۔"

"نہیں، مجھے دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کا کوئی شوق نہیں۔"

"خیر، میں فرزانہ کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

"وہ بھی تمہارے ساتھ جانے سے انکار کر دے گی۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"خیال ہے تمہارا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

کتابیں اٹھا کر دونوں باہر آئے۔ فرزانہ کے سکول پہنچے۔ وہ بے تابانہ انداز میں گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جونہی وہ اس کے نزدیک رکے۔ بھنّا کر بولی۔

"پورے دو منٹ لیٹ ہو تم لوگ۔"

"اور یہ اس کی وجہ سے ہوا۔" محمود نے پراسرار لہجے میں کہا۔

"اس کی وجہ سے ہوا، کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"فرزانہ ہوشیار، یہ حضرت زبردستی سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں زبردستی کے سسپنس میں آنے والی نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میں حارث منیر کی بات کر رہا ہوں — وہ آج ہی کسی دوسرے سکول سے تبدیل ہو کر ہمارا کلاس فیلو بنا ہے، لیکن جس وقت سے آیا ہے، برابر روئے جا رہا ہے۔"

"اس میں تو کوئی پراسرار بات نہیں۔ ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"تم سمجھی نہیں — خیر سنو، میں بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے حارث منیر کے بارے میں جو کچھ معلوم تھا، بتا دیا۔

"یہ واقعی پراسرار سا معاملہ ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہے نا۔" محمود خوش ہو کر بولا: "فاروق اس بات کو تسلیم

کرنے پر تیار نہیں — لہٰذا میرا ساتھ نہیں دے گا۔ تم کیا کہتی ہو"۔

"ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ چلوں گی — کیا خبر ہم اس کے آنسو خشک کرنے میں کامیاب ہو جائیں — یہ نیکی ہوگی اور فاروق نیکی کے کاموں میں ہماری نسبت ذرا کنجوس واقع ہوا ہے" فرزانہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"یہ بات نہیں۔ میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ دوسروں کے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کی جائے"۔

"بھئی، وہ خود ہمیں گھر آنے کی دعوت دے گیا ہے"۔

"اچھا بابا، چلا چلوں گا میں بھی" فاروق نے پاؤں پٹخے۔

شام کے ٹھیک چار بجے وہ شیخ محمد منیر کے کارڈ پر لکھے پتے پر پہنچ گئے۔ ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ گھر کیا تھا، ایک عالی شان کوٹھی تھی اور اسے دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔

"یہ — یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں" فرزانہ پریشان ہو کر بولی۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے — ہماری آنکھیں بالکل سلامت ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کوٹھی کو دلہن کی طرح سجایا گیا ہے" فاروق نے کہا۔

"گویا اس گھر میں خوشی کی کوئی تقریب ہے۔ تب پھر حارث منیر آنسو کیوں بہا رہا تھا"

"ابھی ہم اس سے مل لیں گے" فاروق نے منہ بنایا اور محمود

نے گھنٹی بجا دی — ایک منٹ بعد ہی ایک ملازم کی شکل دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر چھوٹی سی ڈاڑھی تھی۔

"فرمائیے، کیا بات ہے"۔

"ہمیں حارث صاحب سے ملنا ہے"۔

"کیا آپ آج کی تقریب میں شریک ہونے کے لیے آئے ہیں" اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں، ہمیں تو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ یہاں کوئی تقریب ہو رہی ہے۔ حارث صاحب نے ہمیں آنے کے لیے کہا تھا، سو ہم آ گئے"۔

"آئیے، میں آپ کو لان میں بٹھاتا ہوں۔ ڈرائنگ روم میں تو اس وقت پڑوس کی عورتیں جمع ہیں۔ حارث صاحب لان میں ہی آ جائیں گے" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ — آپ کا نام کیا ہے؟"

"فضل کریم" اس نے کہا۔

تینوں اس کے پیچھے چلتے ہوئے لان میں پہنچے۔ یہاں بھی بہت سے لوگ جمع تھے؛ تاہم وہ ایک الگ گوشے میں بچھی کرسیوں پر بیٹھ گئے اور ملازم چلا گیا — جلد ہی انہوں نے حارث کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ اب بھی غمگین تھا — لیکن آنکھیں آنسو نہیں بہا رہی تھیں —

"اوہو، تو آپ لوگ آگئے۔ یہ شاید آپ کی بہن ہیں۔" اس نے پرسکون آواز میں کہا۔

"ہاں حارث، ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آج یہاں کوئی تقریب ہے، ورنہ انہیں ساتھ نہ لاتے، بلکہ خود بھی نہ آتے۔" محمود بولا۔

"ارے ارے، وہ کیوں؟" حارث حیران رہ گیا۔

"اس لیے کہ آپ نے ہمیں تقریب میں شرکت کی دعوت نہیں دی تھی اور نہ تقریب کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔ اگر آپ نے بتایا ہوتا اور ہم دونوں کو شرکت کی دعوت دی ہوتی، تب بھی اپنی بہن کو ہم نہیں لا سکتے تھے، کیونکہ یہ اسلامی اصول کے بالکل خلاف بات ہے کہ دعوت دو آدمیوں کو دی جائے اور پہنچ جائیں تین یا چار۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے، لیکن خیر، میں اب آپ تینوں کو دعوت دیتا ہوں۔"

"پہلے ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ تقریب کس سلسلے میں ہے؟"

"آج میری سالگرہ ہے۔" اس نے غمگین آواز میں کہا۔

"تو پھر آپ سکول میں رو کیوں رہے تھے۔ آج تو خوشی کا دن تھا۔" محمود نے پوچھا۔

"یہ کہانی بہت عجیب ہے۔ کیوں نہ پہلے ہم تقریب سے فارغ ہولیں اور پھر میں آپ لوگوں کو سناؤں۔"

"بہتر تو یہی تھا کہ آپ ہمیں اپنی کہانی پہلے سنا دیتے۔"

"لیکن اس طرح سب لوگوں کو انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ہوں، چلیے خیر یونہی ....." محمود کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت ایک عورت کی آواز سنائی دی تھی۔

"حارث، یہاں تم کیا کر رہے ہو۔ ادھر سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔"

"یہ میرے نئے کلاس فیلو ہیں امّی اور یہ ان کی بہن ہیں۔"

"خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔ آیئے چلیں۔"

انہیں اٹھنا پڑا۔ لان کے بیچوں بیچ پارٹی کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہاں صرف مرد اور بچے جمع تھے۔ عورتیں اندر تھیں۔ آخر کیک کاٹا گیا۔ آدھ گھنٹے بعد پارٹی ختم ہوگئی اور لوگ رخصت ہونے لگے۔ تقریباً بیس منٹ بعد کہیں حارث فارغ ہوا اور انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔ ابھی اطمینان سے بیٹھے بھی نہیں تھے کہ حارث کی امی اندر داخل ہوئی اور بولی:

"حارث، تم ان لوگوں کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گے، ورنہ....."

"جج، جی۔ امّی یہ لوگ۔"

"میں جان گئی ہوں، یہ کون لوگ ہیں۔ ایک مہمان عورت نے مجھے بتا دیا ہے۔ یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔"

"اوہ۔" حارث دھک سے رہ گیا، پھر خوش ہو کر بولا: "لیکن

"امّی، یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ یہ ....."

"نہیں حارث، تم کسی کو بھی کچھ نہیں بتاؤ گے۔ بس خاموش رہو، بالکل خاموش — یہ میرا حکم ہے۔"

"جج، جی اچھا۔" اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی امّی باہر نکل گئیں۔

چاروں خاموشی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

آخر حارث کے ہونٹ ہلے:

"آپ دیکھ ہی چکے ہیں، میں کس قدر بے بس ہوں۔"

"ہاں، اور ہم بھی اب آپ کی کہانی سننے پر اصرار نہیں کریں گے۔ اگر آپ کی امّی کا حکم یہ ہے تو پھر آپ کو ان کا حکم ماننا ہی چاہیے۔"

"مم، میں — میں کیا کروں۔"

"بس کچھ بھی نہیں — خاموش رہیں اور اب ہم اجازت چاہیں گے۔"

"مم، میں نے سوچا تھا....." وہ پھر کہتے کہتے رک گیا۔

"اوہو بھئی، ختم کرو، کوئی بات نہیں — اچھا اب ہم چلتے ہیں۔"

تینوں باہر نکل آئے — حارث انہیں رخصت کرنے دروازے تک آیا۔ اب پھر انہوں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔

"ہمارا جی چاہتا ہے، آپ کے لیے کچھ کریں، لیکن یہ اسی

صورت میں ہو سکتا تھا کہ ہمیں ساری بات بتا دی جاتی۔"

"مم، میں مجبور ہوں، کیا کروں؟"

"خیر کوئی بات نہیں۔" اور وہ ہاتھ ملا کر موٹر سائیکلوں کی طرف بڑھ گئے۔

"یہ کیا ہوا؟" فرزانہ بولی۔

"ہوا تو کچھ بھی نہیں، بس ہم اپنی الجھن میں اضافہ کر چکے ہیں۔" محمود بولا۔

"گویا ہماری الجھن نے نفع کمایا ہے۔" فاروق بول پڑا۔

"یہ الجھن مجھے کہیں کا نہیں رہنے دے گی۔" محمود بڑبڑایا۔

"تب تم اسے کہیں کا نہ رہنے دو، بس یہی علاج ہے اس کا تو۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"یوں کام نہیں چلے گا، آؤ کچھ کام کریں۔"

"کچھ کام کریں، کیا کام کریں؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"تم تو بے وقوف ہو ایک دم۔" یہ کہتے ہوئے محمود نے شیخ محمد منیر کی کوٹھی کے نزدیک ہی ایک دوسری کوٹھی کے گیٹ کی طرف موٹر سائیکل گھما دی — فاروق کو بھی ساتھ دینا پڑا — ابھی انہوں نے گھنٹی بھی نہیں بجائی تھی کہ ایک بوڑھا باہر کی طرف آتا دکھائی دیا۔ شاید اس نے موٹر سائیکلوں کی آواز سن لی تھی۔

"جی جناب، کیا حکم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آپ شیخ محمد منیر صاحب کو تو جانتے ہوں گے۔"

"شاید تم اس بڑی کوٹھی کے مالک کی بات کر رہے ہو، لیکن میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا — چھ ماہ پہلے یہ خاندان اس کوٹھی میں آکر آباد ہوا تھا۔"

"اوہو اچھا — تو چھ ماہ پہلے یہاں کون رہتا تھا؟"

"یہ کوٹھی انہوں نے ہی بنوائی تھی، لیکن ایک عورت، ایک لڑکے اور ایک ملازم کے سوا ہم نے کبھی کسی کو کوٹھی میں نہیں دیکھا۔"

"اوہ، یہ ہم کیا سن رہے ہیں —"

"کیا میں نے کوئی غلط بات بتا دی آپ لوگوں کو —" بوڑھے نے حیران ہو کر کہا، پھر فوراً بولا:

"ان کے بارے میں تو یہاں آپ لوگ جس سے بھی پوچھیں گے، یہی بتائے گا۔"

"ہوں، آپ کو معلوم ہے، آج کوٹھی میں اس لڑکے کی سالگرہ تھی؟"

"ہاں، معلوم ہے — اور آج چھ ماہ میں پہلی بار ان لوگوں نے محلے والوں کو اپنے گھر بلایا تھا۔"

"کیوں؟" فرزانہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"یہ لوگ جب سے آئے ہیں، محلے کے کسی آدمی سے نہیں ملے، نہ کبھی خود کسی کے گھر آئے، نہ کسی کو اپنے گھر بلایا — محلے

والوں کا عام خیال یہی ہے کہ یہ لوگ بہت مغرور ہیں اور غرور کی وجہ دولت مندی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ دولت مند بہت ہیں، جس روز آئے تھے، ان کی دولت مندی لوگوں میں اسی روز مشہور ہو گئی تھی — بہت بڑے بڑے ٹرنک اور سوٹ کیس دو ٹرکوں پر لد کر آئے تھے اور وہ وزنی بھی بہت تھے۔ لیکن پھر لوگ ان سے بالکل مایوس ہو گئے، کیونکہ انہوں نے کسی بھی محلے دار کو نہیں پوچھا۔ آپ لوگ ان کے بارے میں کیوں پوچھتے پھر رہے ہیں؟"

"جی بس ایسے ہی۔" فاروق نے گول مول جواب دیا اور موٹر سائیکلوں کی طرف بڑھ گئے۔

"ہماری الجھن تو کچھ زیادہ ہی منافع حاصل کرتی جا رہی ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"دعوت میں موجود لوگوں میں سے کسی ایک یا دو سے بات چیت کرنے پر ہم کوئی سراغ لگا سکتے ہیں، لیکن مہمانوں میں ہمارا واقف کوئی نہیں تھا، اب کیا کیا جائے؟"

"صبر — اور اس معاملے سے بالکل علحدگی۔" فاروق نے مشورہ دیا۔

"لیکن ہم اپنی الجھن کا کیا کریں گے۔" فرزانہ نے اسے گھور کر دیکھا —

"اسے بھی تھپکیاں دے دے کر سلا دیں گے اور اگر تم سے اپنی الجھن سلائی نہ جا سکے گی تو میں اپنی الجھن کو سلانے کے بعد تمہاری الجھن کو بھی سلا دوں گا۔ فکر نہ کرو، وہ تھپکیاں دوں گا کہ الجھن یاد ہی کرے گی۔"

"شکریہ، مشورہ پسند نہیں آیا۔ اب اس الجھن کو دور کرنا ہی ہوگا۔ سلانے سے یہ اور بڑی ہو جائے گی۔" فرزانہ نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ چھ ماہ پہلے یہ لوگ کہاں سے آئے تھے اور کن حالات میں آئے تھے؟" محمود نے کہا۔

"یہ بات بھلا ہم کس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔"

"ٹرکوں کی اس ایجنسی سے، جس کے دو ٹرک ان کا سامان لاد کر لائے تھے اور یہ انکل اکرام بہت جلد معلوم کر سکتے ہیں۔ کیوں نہ میں انہیں فون کر دوں۔"

"ابھی ابا جان دفتر میں ہوں گے۔" فاروق بولا۔

"تو کیا ہوا، ہم یہ کام ابا جان سے چھپ کر تو نہیں کریں گے۔"

جلد ہی ایک پبلک فون بوتھ سے محمود نے دفتر کے نمبر ڈائل کیے اور سلسلہ ملتے ہی بولا:

"ہیلو انکل، سنائیے کیسے مزاج ہیں؟"

"خدا کا شکر ہے۔ خیر تو ہے محمود۔ کیا فون انسپکٹر صاحب کو دوں؟" اکرام بولا۔

"نہیں انکل، مہربانی فرما کر یہ فون آپ ہی سن لیں، کیونکہ یہ ہے بھی آپ ہی کے لیے۔"

"اچھا، تو پھر سناؤ، کیا بات ہے؟" اکرام نے ہنس کر کہا۔

"فاضل روڈ پر کوٹھی نمبر ۳۲۰ میں ایک گھرانا آج سے چھ ماہ پہلے آ کر آباد ہوا ہے۔ یہ گھرانا کسی دوسرے شہر سے آیا تھا، ان کا سامان دو ٹرکوں پر لد کر آیا تھا۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کس شہر سے آئے تھے۔"

"گھرانے کے سربراہ کا نام کیا ہے؟"

"شیخ محمد منیر، لیکن وہ ساتھ نہیں آئے تھے۔ ان کا بیٹا حارث منیر اور بیوی ایک ملازم کے ساتھ آئے تھے۔ آج ان کے گھر میں حارث کی سال گرہ کی تقریب تھی؛ بہر حال آپ معلوم کرا دیں کہ یہ لوگ کس شہر سے آئے تھے۔"

"یہ تو چند منٹ میں ہو جائے گا۔ فکر نہ کرو، لیکن الجھن کیا ہے؟"

"یہ ہم بعد میں بتائیں گے۔ شام کو گھر آ جائیے گا۔" محمود مسکرایا۔

"شکریہ ۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"آؤ بھئی، گھر چلیں۔ اب انکل کا فون گھر ہی آئے گا۔"

"ٹھیک ہے، لیکن یہ سوچ لو، ابّا جان بھی وہاں موجود تھے۔ وہ انکل اکرام سے فون پر ہونے والی بات چیت معلوم کرلیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں، تو کیا ہوا۔ میں تو خود چاہتا ہوں کہ وہ اس معاملے میں دلچسپی لینا شروع کر دیں۔ اس طرح ہم اور بھی تیزی سے آگے بڑھ سکیں گے۔" محمود بولا۔

تینوں گھر پہنچے ہی تھے کہ اکرام کا فون ملا۔

"ہیلو محمود، یہ گھرانا ایک دور دراز کے شہر سے آیا ہے۔ شہر کا نام اور ان کا وہ پتا نوٹ کرلو، جہاں یہ پہلے آباد تھا۔"

"بہت بہت شکریہ انکل، لکھوایئے۔" اس نے کاغذ قلم سنبھالتے کہا اور پھر لکھنے لگا۔

"اب تو بتا دو — الجھن کیا ہے؟"

"گھر نہیں آرہے آپ، یہیں بات ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے، انسپکٹر صاحب اور میں بس روانہ ہونے ہی والے ہیں —"

"شکریہ —" وہ بولا۔

انہوں نے شہر کے نام اور پتے پر نظریں دوڑائیں۔

"یہ تو لمبا سفر نکل آیا۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ہاں، کیا کیا جائے — ہماری قسمتوں میں چھوٹے سفر ہیں ہی نہیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب ہمیں اس شہر جانا ہوگا۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"آخر اس کی کیا ضرورت ہے — ہمیں کیا پڑی ہے، مصیبتیں جھیلنے کی، جب کہ گھر کے افراد کو کوئی ضرورت نہیں۔" فاروق نے بھنّا کر کہا۔

"الجھن بھئی، الجھن — آخر ہم اپنی الجھن کس طرح دور کریں۔ تم شاید بھول رہے ہو۔ حارث اپنے والد کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہے، لیکن اپنی امّی کی وجہ سے مجبور ہے — سوال یہ ہے، اس کے والد کو کیا ہوا، وہ کہاں ہیں، کم از کم وہ فوت نہیں ہوئے۔ زندہ ضرور ہیں۔ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں، ان کے ساتھ کیا چکر چلا ہوا ہے۔ یہ باتیں جب تک معلوم نہ ہو جائیں، الجھن رفع نہیں ہوگی۔ کیا خیال ہے فرزانہ؟" محمود نے کہا۔

"بالکل ٹھیک اور نیک خیال ہے۔"

"یہ بالکل ٹھیک اور نیک خیال تمہی کو مبارک۔ دیکھ لینا، ابّا جان اس معاملے میں ہمیں کوئی قدم اٹھانے نہیں دیں گے۔"

فاروق نے کہا۔

"اگر انہوں نے اجازت نہ دی تو ہم تمہارے مشورے پر عمل کریں گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کون سے مشورے پر — جہاں تک مجھے یاد ہے، میں نے تو اس سلسلے میں اب تک کوئی مشورہ نہیں دیا۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"تم بھول رہے ہو۔ ایک قیمتی مشورہ دے چکے ہو، وہی صبر کرنے والا۔ الجھن کو تھپکیاں دے دے کر سلا دینے والا۔"

"اوہ — وہ — اچھا — وہ —" فاروق بوکھلا کر بولا۔

دروازے کی گھنٹی بجی۔ انداز اکرام کا تھا۔ محمود نے اٹھ کر دروازہ کھولا — فوراً انسپکٹر جمشید کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"یہ بیٹھے بٹھائے تم لوگ کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"یہ — یہ کس طرح ممکن ہے ابا جان —" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا کس طرح ممکن ہے؟"

"یہ کہ ہم بیٹھے بٹھائے کچھ کرتے پھریں۔"

"جلدی بتاؤ، کیا معاملہ ہے۔"

محمود نے پوری تفصیل کہہ سنائی — انسپکٹر جمشید چند لمحے تک سوچ میں ڈوبے رہے، پھر بولے:

"ہوں، تو پھر، اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟"

"ہم اس شہر جا کر تفتیش کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، جا سکتے ہو، لیکن میں ساتھ نہیں جاؤں گا۔" انہوں نے کہا۔

"جی، وہ کیوں؟"

"میں ذرا یہاں مصروف ہوں؛ تاہم اس معاملے کا تعلق اس شہر سے بھی ہے، لہٰذا یہاں میں نظر رکھوں گا۔ ویسے اگر تم پسند کرو، تو میری بجائے اپنے انکل کو لے جا سکتے ہو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کا مطلب ہے، انکل اکرام کو —" فاروق حیران رہ گیا۔

"نہیں، انکل خان رحمان کو —"

"ارے واہ، کتنی دلچسپ بات کی آپ نے۔" فرزانہ اچھل پڑی —

"تو پھر خود ہی فون پر ان سے بات کر لو اور انہیں یہیں بلا لو — کیونکہ ٹھیک ایک گھنٹے بعد ایک جہاز اس شہر کی طرف پرواز کرنے والا ہے۔"

"ارے، آپ یہ بھی معلوم کر چکے ہیں۔" محمود چلا اٹھا۔

"میں جانتا تھا، تم لوگ جائے بغیر نہیں رہو گے، لہٰذا میں نے تو سیٹیں بھی بک کرا دی ہیں۔"

"کیا ؟" وہ چلّا اٹھے اور محمود خان رحمان کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ نمبر ملتے ہی اس نے کہا :

"ہیلو انکل، میں محمود بول رہا ہوں۔"

"شکریہ محمود صاحب، میں خان صاحب نہیں، ظہور بول رہا ہوں۔ انکل کہنے کا بہت بہت شکریہ۔"

"اوہو، تو یہ آپ ہیں — اچھا تو پھر مہربانی فرما کر انکل کو فوراً فون پر بلا دیں۔"

"اس قدر فوراً نہیں بلا سکتا، وہ لیٹرین میں ہیں ؛ تاہم میں نے سلمیٰ کو باتھ روم کے دروازے پر بھیج دیا ہے، اب میں اسے اشارا کر رہا ہوں، وہ باتھ روم کا دروازہ دھپ دھپا ڈالے گی۔"

"نہیں بھئی، اس کی ضرورت نہیں — میں انتظار کیے لیتا ہوں، بلکہ آپ سے بات چیت کر لیتا ہوں۔"

"ضرور ضرور — شوق سے کیجیے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اس ہفتے آپ نے کتنے سوٹ جلائے۔ آپ کی بیگم نے کتنی مرتبہ ہانڈی جلائی اور آپ نے ڈرائیونگ میں کتنی غلطیاں کیں۔"

"یہ — یہ تو میں نوٹ بک دیکھ کر ہی بتا سکتا ہوں۔" اس نے بوکھلا کر کہا —

"تو آپ یہ چیزیں نوٹ کرتے رہتے ہیں۔"

"ہاں بالکل، کیونکہ ہر ہفتے کے آخری دن خان صاحب بھی تو ان چیزوں کا حساب لیتے ہیں۔"

"اوہو اچھا — خیر تو پھر نوٹ بک نکال لیں۔" محمود نے کہا اور انتظار کرنے لگا۔ باقی لوگ مسکرانے لگے۔ جلد ہی ظہور کی آواز سنائی دی :

"لیجیے جناب، تفصیل سنیے — ارے، مگر نہیں، اب تفصیل سنانے کا وقت گزر چکا ہے۔ خان صاحب تشریف لے آئے ....."

ساتھ ہی خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو محمود، یہ ظہور کیا بکواس کر رہا تھا ؟"

"جی بکواس، نہیں تو — ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"اچھا خیر، تم سناؤ، کیا حال چال ہیں ؟"

"بالکل ٹھیک ہے انکل، بس آپ کی ضرورت ہے۔"

"اچھا تو میں پہنچ گیا سمجھو — کیا پروفیسر صاحب کو بھی ساتھ لاؤں۔"

"جی، جی نہیں — ان کی ضرورت نہیں ہے، بس صرف آپ آجائیے۔"

"آرہا ہوں، فکر نہ کرو۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا —

بیس منٹ بعد ہی خان رحمان ان کے سامنے موجود تھے اور علیک سلیک کے بعد کہہ رہے تھے :

"ہاں تو کیا معاملہ ہے؟"

"بھئی خان رحمان، معاملہ کیا ہوتا۔ میں تمہیں اپنی جگہ ان کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔"

"اپنی جگہ مجھے ۔ ارے باپ رے ۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں، اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بہت شدید ضرورت ۔ میں بھلا جاسوسی کرنا کیا جانوں۔"

"کوئی بات نہیں، جاسوسی کا کام یہ خود کر لیں گے۔"

"تب پھر میری کیا ضرورت؟" انہوں نے منہ بنایا۔

"بھئی ذرا ساتھ رہے گا ۔ ویسے میں اس معاملے میں خطرات کی بو سونگھ چکا ہوں، اس لیے تمہارا ان کے ساتھ جانا مناسب رہے گا۔"

"خطرات کی بُو، ارے باپ رے ۔ معاملے کے بارے میں ابھی معلوم نہیں ہوا اور خطرات کی بو سنگھائی جا رہی ہے۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"معاملے کی تفصیلات جہاز میں یہ لوگ تمہیں سنا دیں گے۔ دیر نہیں کی جا سکتی، جہاز سے رہ جاؤ گے۔"

"اوہ اچھا، تو سب کچھ انتظام مجھ سے بات کیے بغیر ہی کیا جا چکا ہے۔"

"ہاں انکل، آپ سے بات کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔"

"ہاں، یہ تو ہے ۔ تم لوگوں کے کسی معاملے میں میں نے اور پروفیسر صاحب نے آج تک انکار کیا ہی نہیں اور نہ تم لوگوں نے کبھی میری کسی تجویز سے انکار کیا۔ دوستی اسی کا تو نام ہے۔ تو پھر چلو، اب دیر کیسی؟"

اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے ۔ جہاز میں انہوں نے پوری تفصیل انہیں سنا دی۔ دو گھنٹے بعد وہ جہاز سے اتر کر اس پتے کی طرف روانہ ہو رہے تھے جو اکرام نے انہیں نوٹ کرایا تھا اور اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔

چیخ

ٹیکسی ڈرائیور نے شہر کے ایک سرے پر واقع حویلی کے سامنے انہیں اتار دیا اور بولا :

"مینر والا یہی ہے جناب ۔"

"شکریہ، لیکن یہ مکان تو بالکل بند پڑا ہے ۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"اس سلسلے میں میں کہہ سکتا ہوں، اس سڑک پر مینر والا نامی مکان اور کوئی نہیں ہے، میں راستے بھر دیکھتا رہا ہوں۔"

"اچھا شکریہ، کیا آپ کچھ دیر رک سکتے ہیں۔ شاید ہمیں واپس بھی جانا پڑے گا ۔" خان رحمان بولے۔

"ایک گھنٹے کے چالیس روپے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے، مل جائیں گے ۔" خان رحمان نے کندھے اچکائے اور آگے بڑھے۔ آس پاس بہت دُور دُور مکان واقع تھے۔ مینر والا بالکل تاریک پڑا تھا۔ آسمان پر چمکتے چاند کی روشنی میں انہیں دروازے پر

لگا بڑا سا تالا صرف نظر آ رہا تھا۔

"اب کیا کریں بھئی ۔" خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

"آیئے، نزدیک ترین مکان میں رہنے والوں سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔"

"ٹھیک ہے، چلو ۔"

نزدیک ترین مکان روشن تھا۔ گھنٹی بجاتے ہی دروازہ کھلا اور ایک نوجوان آدمی کی صورت دکھائی دی :

"جی فرمایئے ۔"

"ہم شیخ محمد مینر صاحب سے ملنے کے لیے آئے تھے، لیکن ان کے دروازے پر تو تالا لگا ہوا ہے۔ کیا آپ ان کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں ۔"

"جی ہاں، کیوں نہیں ۔ چھ ماہ پہلے وہ یہاں سے چلے گئے۔ دو ٹرکوں میں ان کا سامان لادا گیا تھا اور وہ اپنی کار میں بیٹھ کر یہاں سے چلے گئے تھے۔ جاتے ہوئے دروازے پر تالا لگا گئے تھے ۔ محلے والوں نے جب کچھ پوچھنے کی کوشش کی تو صرف یہی کہا کہ دوسرے شہر میں ایک کارخانہ لگانے کا ارادہ ہے ۔"

"اور کار میں شیخ محمد مینر بھی تھے ؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں، ان کے بارے میں جب پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ تو کارخانے کے سلسلے میں پہلے ہی دوسرے شہر جا چکے ہیں ۔"

"اور کیا انہوں نے شہر کا نام بھی بتایا تھا"

"نہیں، ہم نے پوچھنے کی کوشش کی"

"وہ یہاں کب سے رہتے تھے؟"

"ہمیشہ سے، یہ حویلی شیخ محمد منیر کے باپ دادا کی تھی"

"کیا وہ آس پاس کے لوگوں سے ملا جلا کرتے تھے"

"ہاں، کیوں نہیں — شیخ منیر تو بہت ہی ملنسار آدمی تھے — ان کی بیوی بھی بہت اچھی عورت تھیں — آس پاس کے سبھی لوگ انہیں پسند کرتے تھے — ان کا لڑکا بھی اچھا تھا اور ملازم بھی"

"تو آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کس شہر میں گئے ہیں؟"

"جی نہیں" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"بہت بہت شکریہ — آیئے انکل چلیں"

"آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں اور شیخ منیر صاحب سے کیا کام تھا؟"

"جی، بس ایک سلسلے میں ملنا تھا" محمود نے جلدی سے کہا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا تاکہ جواب میں جھوٹ نہ بولنا پڑے۔ ٹیکسی کے نزدیک آتے ہی محمود نے کہا:

"آپ تشریف لے جا سکتے ہیں جناب، ہمیں یہاں زیادہ دیر لگ جائے گی"

"زیادہ دیر لگ جائے گی" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا

اور محمود نے ان کا ہاتھ پکڑ کر دبا دیا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ انہوں نے ٹیکسی کا بل ادا کیا اور وہ چلی گئی۔

"یہ — یہ تم نے کیا کہا۔ اب ہم شہر تک کس طرح جائیں گے۔ جانتے بھی ہو، شہر یہاں سے کم از کم بیس میل دور ہے"

"جی ہاں، جانتے ہیں۔ لیکن انکل ہم شہر جا کر کیا کریں گے"

"تو کیا رات یہاں سڑک پر گزاریں گے یا اس طرف واقع جنگل میں" انہوں نے بھنّا کر کہا۔

"رات ہم اس مکان میں گزاریں گے انکل" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا کہا، اس مکان میں، لیکن اس کے دروازے پر تو تالا لگا ہوا ہے"

"تو کیا ہوا، ہم اس میں داخل ہونے کا کوئی راستہ تلاش کر ہی لیں گے"

"اور کیا یہ غیر قانونی نہیں ہوگا؟"

"ہاں شاید، لیکن ہماری نیت بُری نہیں ہے۔ ہم چوری کرنے کے لیے نہیں، اس راز سے پردہ اٹھانے کے لیے اندر داخل ہوں گے" محمود بولا۔

"انکل، یہ دونوں جو کریں، کرنے دیں — یہ میری یا آپ کی ایک نہیں مانیں گے" فاروق نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں، یہ تو ہے" خان رحمان مسکرائے۔

"اور یہ دونوں تو شاید یہ بات بھی بھول گئے ہیں کہ ابا جان اس معاملے میں خطرات کی بُو سونگھ چکے ہیں۔"

"یہ بھی کوئی بھولنے کی بات ہے، لیکن شاید تم یہ بات بھول رہے ہو کہ خطرات سے ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم۔" فرزانہ نے گنگنا کر کہا۔

"تو ٹھیک ہے، کود پڑو خطرات میں، منع کون کر رہا ہے — کیوں انکل؟" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"ہاں بالکل، میں تو ہرگز منع نہیں کروں گا۔" خان رحمان نے فوراً کہا اور وہ مسکرا دیے۔

"آیئے، پہلے تو ہم اس حویلی کا ایک چکر لگا کر جائزہ لیں کہ اندر کس راستے داخل ہو سکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ظاہر ہے، پائپ کے ذریعے ہی داخل ہونا پڑے گا اور شامت میری آئے گی۔" فاروق بڑبڑایا۔

چاروں حویلی کے گرد چکر لگانے لگے اور فاروق کے خیال کے مطابق انہیں ایک پائپ اوپر تک جاتا مل ہی گیا۔

"فاروق، تمہاری مراد بر آئی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"مراد میری نہیں، تمہاری بر آئی ہے۔" اس نے کڑوا سا منہ بنایا۔

"اچھا، اب باتیں نہ بناؤ — اپنے حصے کا کام کرو۔ اوپر پہنچ کر نیچے اترو اور کوئی کھڑکی کھول دو تاکہ ہم نہایت آرام سے اندر

داخل ہو سکیں۔" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھا انکل، کام چور یہ خود ہیں اور بناتے ہیں مجھے۔"

"فکر نہ کرو، سب کچھ دیکھ اور نوٹ کر رہا ہوں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"لیکن انکل، میں نے تو آپ کو نوٹ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھئی میں ذہن میں نوٹ کر رہا ہوں، نوٹ بک میں نہیں، کیونکہ ذہن میں نوٹ کیا ہوا گم نہیں ہو سکتا۔" وہ بولے۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

آخر فاروق پائپ پر چڑھنے لگا — جوتے اس نے اتار دیے تھے —

"میرے جوتے اٹھا لانا۔" چند گز اوپر پہنچ کر اس نے کہا۔

"فکر نہ کرو، ہم تمہیں جوتوں کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"کیا کہا؟" فاروق بھنّا کر بولا اور اوپر چڑھنا بند کر دیا۔

"بھئی وقت نہ ضائع کرو۔ اس سے پہلے کہ کوئی ہمیں اندر داخل ہوتے دیکھ لے، ہمیں اندر پہنچ جانا چاہیے۔"

"اچھا خیر بعد میں سمجھوں گا۔"

"اور میں تمہارا ساتھ دوں گا۔" خان رحمان بولے۔

"شکریہ انکل ۔" فاروق خوش ہوگیا اور تیزی سے اوپر جانے لگا۔ آخر وہ چھت تک جا پہنچا ۔ اس نے ہاتھ ہلاتے ہوئے دبی آواز میں کہا:

"خدا حافظ ۔"

"خدا حافظ ۔" انہوں نے بھی ہاتھ ہلائے اور فاروق نظروں سے اوجھل ہوگیا ۔ وہ پھر چکر لگانے لگے۔ نچلی منزل میں ایک کھڑکی نظر آئی اور وہ اس کے سامنے رک گئے۔

"ضروری نہیں، کہ وہ یہی کھڑکی کھولے" فرزانہ بولی۔

"کوئی بات نہیں، وہ جو بھی کھڑکی کھولے گا، اس کے ذریعے باہر آجائے گا اور ہم تک پہنچ جائے گا"

وہ انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ کئی منٹ گزر گئے۔ ان کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ اچانک ان کے کانوں سے ایک چیخ کی آواز ٹکرائی ۔ وہ بوکھلا اٹھے۔

○

"اُف خدا، یہ چیخ تو فاروق کی تھی" محمود نے کانپ کر کہا۔

"ہاں، شاید وہ اندر پھنس گیا ہے۔ اب ہم رک نہیں سکتے محمود جلدی کرو، تم بھی پائپ کے ذریعے اوپر پہنچ جاؤ ۔" فرزانہ بے تابا

لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے، میں جا رہا ہوں، لیکن ہم میں سے کم از کم ایک کو حویلی کے باہر بھی رہنا چاہیے ۔ کیا خبر، اندر موجود دشمن فرار ہونے کی کوشش کرے ۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ٹھیک ہے، میں باہر ٹھہروں گا۔ تم دونوں اندر پہنچ جاؤ" خان رحمان بولے۔

"شکریہ انکل ۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔ دونوں دوڑ کر پائپ کے نیچے پہنچے۔ پہلے محمود نے چڑھنا شروع کیا اور جب وہ ذرا اوپر ہوگیا، تو فرزانہ بھی چڑھنے لگی۔ فکر اور پریشانی نے انہیں گھیر لیا تھا۔ فاروق کی چیخ رہ رہ کر ان کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"خدا کرے، فاروق خیریت سے ہو" فرزانہ بڑبڑائی۔

"چیخ کے بعد پھر اس کی آواز بھی تو سنائی نہیں دی ۔ وہ مدد کے لیے چلّایا بھی تو نہیں ۔" محمود نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے، چیخ کے بعد وہ بے ہوش ہوگیا ہو ۔ آخر کوئی وجہ تو ہوگی اس کے چیخنے کی ۔" فرزانہ نے کہا۔

"خیر، دیکھا جائے گا"

دونوں جلدی جلدی ہاتھ پیر چلاتے آخر چھت پر پہنچ گئے۔ زینے کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ بے تحاشہ انداز میں سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ اب ان کے سامنے گھپ اندھیرا تھا۔ سامنے کچھ بھی

دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ محمود نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پنسل ٹارچ نکالی نکالی، لیکن جوں ہی اسے روشن کیا، کوئی چیز پورے زور سے اس کے سر پر لگی۔ اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی اور وہ نیچے گرتا چلا گیا۔ فرزانہ ایک سیکنڈ پہلے خطرے کی بو سونگھ چکی تھی، لہذا وہ اس کے ٹارچ روشن کرنے سے پہلے ہی نیچے بیٹھ گئی تھی۔ اس نے قدموں کی آہٹ سنی، دل دھک دھک کرنے لگا۔ کوئی شخص اندر موجود تھا۔ اس نے فاروق پر وار کیا تھا اور اب محمود اس کی زد پر آگیا تھا۔ جو غلطی فاروق نے کی تھی، وہی محمود سے بھی ہوگئی تھی۔ فرزانہ الجھن میں پڑ گئی — کرے تو کیا کرے۔ آخر دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتی آگے بڑھی — اچانک ان کا جسم ایک انسانی جسم سے ٹکرایا — یہ محمود تھا۔ اس نے اس کا سر ٹٹولا تو وہاں ایک اور چھوٹا سا سر ابھر آیا تھا، لیکن اس کے ہاتھوں نے خون کی چپچپاہٹ محسوس نہ کی؛ گویا سر سے خون نہیں نکلا تھا۔ اب وہ اور آگے بڑھی۔ چند فٹ کی دوری پر وہ پھر ایک جسم سے ٹکرائی — صاف ظاہر ہے، یہ فاروق کا جسم تھا۔ اس کے سر پر بھی ابھار بن چکا تھا۔

اچانک ٹچ کی آواز ابھری اور حویلی کے صحن میں روشنی ہوگئی۔ فرزانہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے ایک سرد آواز سنی :

"خبردار، اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا، ورنہ انجام بھیانک ہوگا۔"

اس نے بوکھلا کر آواز کی سمت میں دیکھا۔ اسے اپنے سامنے ایک نقاب پوش کھڑا دکھائی دیا۔ اس کا صرف چہرہ سیاہ رنگ کے نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ جسم پر عام لباس تھا — وہ ایک لمبے قد کا پتلا دبلا آدمی تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا اور اس کی نال کا رخ فرزانہ کی طرف تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں، ایک لکڑی تھی — شاید اس نے اس لکڑی کے ذریعے محمود اور فاروق کے سروں پر ضرب لگائی تھی —

"تم لوگ کون ہو، اور پھل دار درختوں سے ٹپک پڑنے والے پھلوں کی طرح کیوں ٹپک رہے ہو۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا، مگر ساتھ میں وہ حد درجے پریشان بھی لگتا تھا۔

"یہی سوال میں تم سے کرنا چاہتی ہوں۔ تم خود کون ہو۔ کیونکہ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، یہ حویلی شیخ محمد منیر صاحب کی ہے اور یہاں سے جاتے وقت انہوں نے اسے فروخت نہیں کیا تھا۔"

"اس پستول کو دیکھ رہی ہو۔" وہ پھنکارا۔

"ہاں بالکل، سب سے پہلے میں نے اسی کو دیکھا تھا۔" فرزانہ بے خوفی سے مسکرائی۔

"اور پھر بھی مجھ سے سوالات کر رہی ہو۔ میں نے جو پوچھا

ہے، اس کا جواب دو۔" وہ غرّایا۔

"یہ ہماری عادت نہیں — ہم کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر عمل کرتے ہیں۔ تم میرے سوالات کے جواب دو — میں تمہارے سوالات کے جواب دوں گی — اس طرح حساب برابر ہو جائے گا، لیکن نہیں حساب کہاں برابر ہو گا۔ تم نے تو میرے دونوں بھائیوں کو سروں پر چوٹ مار کر بے ہوش کر دیا ہے۔ اب مجھے بھی تمہارے سر کی خبر لینا ہو گی اور ایک سر پر دو اور سر ابھارنا ہوں گے۔ حساب تو صرف اس صورت میں برابر ہو گا، کیا خیال ہے؟"

"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے — یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے ہاتھ میں پستول ہے اور اس میں چھ گولیاں ہیں۔"

"دماغ میرا نہیں، تمہارا چل گیا ہے" تم نے بتایا نہیں کہ ہو کون؟"

"اگر یہ بتانا ہوتا تو چہرے پر نقاب کیوں لگاتا۔"

"کیا تم پہلے سے حویلی میں موجود تھے یا ہمیں ادھر کی طرف بڑھتے دیکھ کر حویلی میں داخل ہوئے تھے۔"

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینا پسند نہیں کرتا۔ ہاں تمہیں یہ ضرور بتانا ہو گا کہ کون ہو اور اس حویلی میں چوروں کی طرح کیوں داخل ہوئے ہو۔"

"تم ہمیں چوروں کا طعنہ دے رہے ہو۔ خود اپنے بارے میں

تمہارا کیا خیال ہے۔" فرزانہ جل بھن کر بولی۔

"مم، میں چور نہیں ہوں۔" وہ بولا۔

"کسی دوسرے کے گھر میں کھڑے ہو، پستول ہاتھ میں ہے۔ دو انسانوں کو سروں پر چوٹ مار کر بے ہوش کر چکے ہو اور اس پر بھی کہہ رہے ہو کہ چور نہیں ہو۔" فرزانہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"ہاں، ٹھیک ہے، میں واقعی چور نہیں ہوں۔"

"تب پھر ضرور تم ڈاکو ہو گے، کوئی ٹھگ ہو گے۔ اچھا خیر، مجھے اس سے کیا — میری بلا سے تم کچھ بھی ہو۔ لو میں تم پر حملہ آور ہو رہی ہوں — اپنا بچاؤ کر سکتے ہو تو کر لو، میں تم سے اپنے بھائیوں کا انتقام لوں گی۔"

"تم ضرور کوئی پاگل لڑکی ہو، جسے اتنا بھی نہیں معلوم کہ پستول کیا چیز ہوتی ہے۔"

"اچھی طرح جانتی ہوں، لیکن مشکل یہ ہے کہ میں اصلی اور نقلی پستول میں فرق فوراً پہچان لیتی ہوں۔"

"کیا؟" وہ دھک سے رہ گیا اور ساتھ ہی پستول اور لکڑی سمیت فرزانہ پر چھلانگ لگا دی۔

فرزانہ پہلے ہی ہوشیار تھی، جھکائی دے کر دوسری طرف نکل گئی اور وہ اپنے زور میں دیوار سے ٹکرایا اور بے سدھ ہو گیا۔

"ارے بس، اتنی جلدی بے ہوش ہو گئے۔ ابھی تو میں نے ایک ہاتھ بھی نہیں دکھایا، لاحول ولا قوۃ ۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ پھر صحن کے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور ایک کھڑکی نظر آتے ہی اس کی طرف بڑھی — جلدی سے کھڑکی کھولی اور بلند آواز میں بولی :

"انکل، آپ کہاں ہیں، فوراً اس کھڑکی کے ذریعے اندر آ جائیں۔ میں نے دشمن کو مار گرایا ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ مڑی اور ٹھٹک کر رہ گئی۔ گرا ہوا دشمن اب اس جگہ نہیں تھا — اس نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا تو ایک دوسری کھڑکی کھلی نظر آئی، وہ اس کی طرف دوڑی اور پھر کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی — وہ دور بہت دور بھاگا جا رہا تھا اور خان رحمان بھی اس کے پیچھے تھے۔ شاید انہوں نے اسے کودتے دیکھ لیا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہوا، کیونکہ خان رحمان اس سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں تھے۔ جب کہ وہ بہت دور تھی۔ اپنے پیچھے قدموں کی آواز سن کر خان رحمان نے مڑ کر دیکھا —

"مڑ کر نہ دیکھیں انکل — وہ نکل نہ جائے۔" فرزانہ چلّائی۔

"مم، میرا خیال ہے فرزانہ، میں اسے نہیں پکڑ سکوں گا۔" خان رحمان ہکلائے۔

"کک، کیا مطلب ؟"

"میرے پاؤں میں اس نے ایک لکڑی کھینچ ماری تھی۔ میں ٹخنے میں شدید درد محسوس کر رہا ہوں۔"

"اوہ، تب تو انکل، آپ رک جائیں — میں خود ہی اسے دیکھ لوں گی۔"

"شش، شکریہ فرزانہ — انہوں نے کہا اور پھر بیٹھ ہی گئے۔ جلد ہی فرزانہ اس کے پاس سے گزر گئی۔ اب وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہی تھی، لیکن دشمن بھی گویا ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ درختوں کے درمیان یہ دوڑ چاند کی روشنی میں ہو رہی تھی۔ اچانک چاند بادلوں میں چھپ گیا اور دشمن اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ؛ تاہم وہ بدستور دوڑتی رہی، پھر جونہی چاند بدلی سے نکلا، وہ چونک اٹھی — دشمن اب کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا، شاید اس نے کسی درخت کی اوٹ لے لی تھی اور اب وہ اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نے کچھ سوچا اور حویلی کی طرف مڑ گئی۔ خان رحمان لنگڑاتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے۔

"چلیے انکل، چاند کی مہربانی سے وہ کہیں چھپنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اسے تلاش کرنا وقت ضائع کرنا ہے، لہٰذا ہم محمود اور فاروق کی مدد کیوں نہ کریں۔"

"انہیں ہوا کیا ہے ؟" خان رحمان بولے۔

"اس شخص نے لکڑی سے ان کے سروں پر وار کیے تھے۔"

"اوہ، بہت ستم ظریف تھا۔ مجھ پر بھی وار کر گیا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اس سے دوبارا ضرور ملاقات ہوگی اور اس وقت ہم اس سے حساب کتاب کر لیں گے۔"

دونوں کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہوئے۔ محمود اور فاروق اب ہوش میں آ چکے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی محمود نے مسکرا کر کہا۔

"تو وہ بھاگ نکلا۔"

"ہاں، ہمیں افسوس ہے۔"

"اس میں افسوس کی کیا بات ہے، ہم اس کی طرف سے بے خبر تھے۔" محمود نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ وہ کون تھا اور حویلی میں کیا کر رہا تھا۔ کیا وہ صرف ہمارے استقبال کے لیے یہاں موجود تھا۔" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمیں اس پوری حویلی کا جائزہ لینا ہوگا۔" محمود نے کہا۔

انہوں نے صحن کا جائزہ لیا، پھر صحن میں کھلنے والے کمروں کے دروازے دیکھے۔ ان میں سے ہر ایک پر تالا لگا تھا۔ ایک تالے میں چابیوں کا ایک گچھا لٹک رہا تھا۔ یہ دیکھ کر فرزانہ بولی:

"اوہو، کہیں وہ شخص ان کمروں کو کھولنے کی کوشش میں تو مصروف نہیں تھا۔"

"ایسا ہی نظر آتا ہے۔ خیر اب یہ کام ہم کریں گے۔" یہ کہہ کر محمود اسی کمرے کی طرف بڑھا اور چابیوں کو آزمانے لگا، لیکن گچھے میں موجود کوئی چابی بھی نہ لگ سکی۔

"اپنی چابیاں کیوں نہیں آزماتے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اب یہی کروں گا۔ میں نے سوچا تھا، شاید اس کی چابیوں سے ہی کام چل جائے۔"

"اور غلط سوچا تھا۔" فاروق مسکرایا۔

"صحیح سوچنا تو بس تم پر ختم ہے۔" محمود نے جل بھن کر کہا۔ اسی وقت کلک کی آواز سنائی دی۔

"اور دوسروں کے تالے کھولنا بس تم پر ختم ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اس وقت تک دروازہ کھل چکا تھا، لہٰذا محمود نے فاروق کے جملے کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور خان رحمان کے بعد کمرے میں داخل ہو گیا۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی دیر نہ لگائی۔ جوں ہی بلب جلایا گیا، وہ دھک سے رہ گئے۔ آنکھیں مارے خوف اور دہشت کے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

کیا مطلب؟

پورا کمرہ بری طرح گرد آلود تھا۔ ہر چیز پر گرد کی موٹی تہہ جمی تھی۔ کمرے کے فرش پر بے ترتیبی کے آثار تھے۔ ایک طرف ایک کرسی الٹی پڑی تھی۔ کرسی کے قریب ہی ایک خنجر پڑا تھا۔ خنجر سے کچھ فاصلے پر سیاہ خون جما ہوا تھا۔ اس جمے ہوئے خون پر بھی اگرچہ گرد کی تہہ تھی، لیکن اس کے باوجود خون کی سیاہی نظر آ رہی تھی۔ اور انہوں نے فوراً ہی جان لیا کہ وہ خون کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں — نیلے رنگ کی ایک بوتل کے ٹکڑے فرش پر جا بجا بکھرے ہوئے تھے — بوتل کی گردن سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ ٹوٹنے والی چیز بوتل تھی۔

"یہ — یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"جو کچھ دیکھ رہے ہیں، بس وہی دیکھ رہے ہیں۔" فاروق بول اٹھا —

"وہ شخص جو بھاگ نکلا، اس کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش

کر رہا تھا، لیکن ہماری آمد نے اس کا کام خراب کر دیا اور بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون تھا — آخر یہ چکر کیا ہے؟"

"چکر معلوم کرنے کے لیے ہمیں دن کا اجالا پھیلنے کا انتظار کرنا ہو گا۔ دن کے وقت ہم اس پوری حویلی کا جائزہ لیں گے۔ شاید ہم کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ صبح ہمیں پولیس کو بھی بلانا ہو گا، کیونکہ اس کمرے میں ضرور کوئی واردات ہوئی تھی — یہ معلوم نہیں کہ کب — شیخ محمد منیر کے حویلی خالی کرنے سے پہلے یا بعد میں — الجھن بڑھتی ہی جا رہی ہے، جب کہ ہم اسے ایک سیدھا سادا معاملہ سمجھتے تھے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"سیدھے سادے معاملے ہماری قسمت میں کہاں، ہمیں ہمیشہ پیچیدہ مسئلوں سے ہی واسطہ پڑتا ہے — اللہ اپنا رحم فرمائے۔" فاروق بولا۔

"آمین — کیا خیال ہے انکل، اب کیا کیا جائے۔ رات کیسے گزاری جائے؟"

"باہر نکل کر پڑوس کے کسی آدمی سے درخواست کر لیتے ہیں، کیونکہ اگر ہم نے شہر کی طرف پیدل مارچ کیا تو چلتے چلتے ہی دن نکل آئے گا اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے، لیکن کیوں نہ ہم رات اس حویلی میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے گزار دیں۔"

"اگر ہم کچھ اور تالے کھولنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو رات

یہاں بھی گزاری جا سکتی ہے، لیکن اگر اس کوشش میں ناکام ہوگئے اور اس طرح دیر ہوگئی تو کسی پڑوسی کو جگا بھی نہیں سکیں گے۔ اس وقت تو لوگ جاگ رہے ہوں گے۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ یہ معاملہ اتنی جلدی حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ بہتر ہوگا کہ ہم باہر نکل کر پولیس کو فون کر دیں اور خود کسی کے گھر میں رات گزار لیں۔" خان رحمان نے مشورہ دیا۔

"لیکن انکل، اگر ہم نے اسی وقت فون کیا تو ہمیں پولیس کا انتظار بھی کرنا پڑے گا۔"

"میں اس بحث کو ختم کرتی ہوں — پہلے تو ہمیں ان تالوں کو کھولنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا، پھر ہم میں سے کوئی ایک باہر جا کر پولیس کو فون کر سکتا ہے۔ اس طرح ہمیں کسی کے گھر رات گزارنے کی بھی کوشش نہیں کرنا پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے، یہ تجویز مناسب رہے گی۔" خان رحمان نے کہا۔

اور وہ تالوں پر جٹ گئے۔ پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد باقی تینوں کمروں کے تالے بھی کھل گئے، لیکن ان میں کوئی چیز نظر نہ آئی۔ یہ تینوں کمرے بھی گرد آلود تھے؛ گویا رات گزارنے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ آخر تنگ آ کر وہ باہر نکل آئے اور اسی بوڑھے کے مکان کی طرف آئے۔ دستک کے جواب میں پھر اس کی شکل دکھائی دی —

"معاف کیجیے گا، ہم پھر آپ کو تکلیف دے رہے ہیں۔ آپ کے گھر میں فون ہوگا؟"

"جی نہیں — فون یہاں آس پاس کسی کے گھر میں نہیں ہے۔ تقریباً دو کلومیٹر دور جانا ہوگا۔ وہاں پبلک فون بوتھ لگا ہوا ہے۔" اس نے بتایا۔

"لیکن دو کلومیٹر کس طرح جائیں، وہ بھی رات کے وقت —"

"میری گاڑی آج مرمت کے لیے گئی ہوئی ہے، ورنہ میں ضرور خدمت کرتا۔" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ، اب ہم یہ کام صبح ہی کریں گے — کیا آپ ہمیں رات گزارنے کا کوئی طریقہ بتا سکتے ہیں؟" خان رحمان بولے۔

"میں آپ کا اشارا سمجھ گیا — افسوس، میرے گھر میں اتنی گنجائش نہیں۔ جگہ بھی کم ہے اور بستروں اور چارپائیوں کا بھی باقاعدہ طور پر بندوبست نہیں کر سکتا۔ ہاں، آپ نامی صاحب سے بات کریں —"

"نامی صاحب، کیا مطلب؟"

"عرفان نامی میرے پڑوسی ہیں۔ حال ہی میں پڑوسی بنے ہیں۔ مکان کافی بڑا ہے اور ہیں بھی اکیلے۔"

"اوہ، بہت بہت شکریہ — ان کا مکان کونسا ہے؟"

"ساتھ والا —" انہوں نے کہا۔

"آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"مجھے شیراز جان کہتے ہیں۔" وہ بولے۔

"شکریہ جناب، ایک بار پھر معافی چاہتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے کہا۔

وہ عرفان نامی کے دروازے کی طرف بڑھ گئے اور شیراز جان نے دروازہ بند کر لیا۔ دروازہ قدرے زور سے بند کیا گیا۔ انہیں یوں لگا، جیسے اس نے بھنّائے ہوئے انداز میں ایسا کیا ہو۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ محمود نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ اندر کئی کمرے روشن نظر آ رہے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ عرفان نامی ابھی جاگ رہا تھا۔ جلد ہی دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا کسی قدر حیران نظر آیا۔

"جی فرمائیے، کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ، عرفان نامی ہی ہیں نا؟"

"جی بالکل، آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"آپ کے پڑوسی شیراز جان نے بتایا ہے۔"

"لیکن کس سلسلے میں؟" وہ حیران ہو کر بولا۔

"رات گزارنے کے سلسلے میں۔ ہم اس قصبے میں اجنبی ہیں۔ اس طرف آنا تھا، اب واپسی کا کوئی ذریعہ نہیں، لہٰذا صبح تک رات گزارنے کا مسئلہ ہے۔ شیراز صاحب کا کہنا ہے کہ آپ تنہا رہتے

ہیں اور آپ کے مکان میں جگہ بھی کافی ہے۔"

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔ اندر تشریف لے آئیے۔ آپ نہایت اطمینان سے رات گزار سکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ جناب، ہم آپ کو زحمت دے رہے ہیں۔"

"اس میں زحمت کی کیا بات؟"

اور وہ اندر آ گئے۔ عرفان نامی نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور پھر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا۔

"ایک کمرے میں چار بستر لگا دیے ہیں۔ کیا آپ لوگ کھانا کھانا پسند کریں گے؟"

"جی نہیں، شکریہ۔ کھانا ہم جہاز میں کھا چکے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

رات واقعی اطمینان سے گزری۔ صبح محمود نے فون کرنے کے لیے دوڑ لگا دی۔ فون کر کے واپس آیا تو عرفان نامی ان کے لیے ناشتا لگا چکا تھا۔ انہوں نے ناشتا کیا اور حویلی کی طرف آ گئے۔ انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ پولیس کی گاڑیوں کی آواز سے آس پاس کا علاقہ گونج اٹھا۔ کچھ لوگوں نے دروازے کھول کھول کر باہر دیکھا۔ شیراز جان اور عرفان نامی بھی نہ رہ سکے۔ ان پر نظر پڑتے ہی شیراز جان بوکھلا اٹھا۔

"یہ۔ یہ سب کیا ہے؟"

"شیخ محمد منیر کی حویلی کی تلاشی لی جائے گی۔ کچھ عرصہ پہلے یہاں کوئی واردات ہوئی تھی۔" محمود نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے باپ رے۔" انہوں نے عرفان نامی کی بوکھلائی ہوئی آواز سُنی۔

پولیس کی گاڑیاں حویلی کے قریب آ کر رک گئیں۔ ان کے قدم پہلے ہی حویلی کی طرف اٹھ چکے تھے۔ سب سے پہلے اترنے والے پولیس والوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر اعلان کرنے والے لہجے میں بولا:

"فون کس نے کیا تھا؟"

"میں نے۔" محمود آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"تم کون ہو؟" اس نے محمود کو گھورا۔ محمود کو اس کے لہجے پر تاؤ تو بہت آیا، لیکن صبر کے گھونٹ بھر کر رہ گیا۔

"میں محمود ہوں۔ یہ میرے انکل خان رحمان اور یہ بہن بھائی فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"اچھا تو پھر، تمہارا اس حویلی سے کیا تعلق؟"

"تعلق تو کوئی نہیں۔"

"تب پھر، کیا تم حویلی میں چوری کی نیت سے داخل ہوئے تھے؟"

"جی نہیں، چوری کی نیت سے تو کوئی اور داخل ہوا تھا۔ ہم نے تو اسے پکڑنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ بھاگ نکلا۔ اس طرح ہمیں حویلی کا کمرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کمرے کو دیکھتے ہی یہ بات صاف طور پر محسوس ہوتی ہے کہ کوئی واردات ہوئی تھی۔"

"تمہاری کوئی بات میرے پلّے نہیں پڑی۔" پولیس افسر نے جھنّا کر کہا۔

"اچھا، کمال ہے۔ لیکن میں نے تو جناب بہت ہی صاف اور سادا الفاظ میں بات کی ہے۔"

"پوری تفصیل سے بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"جی اچھا۔" محمود نے کہا اور گول مول انداز میں تفصیل سنانے لگا۔

"خیر، ہم حویلی کا جائزہ لے لیتے ہیں، لیکن تم لوگ بھی میری نظروں میں شک سے بری نہیں ہو۔"

"کوئی بات نہیں جناب، ہمیں شک سے بری ہونے کا ایسا کوئی شوق بھی نہیں۔" فاروق بول اٹھا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولا۔

"اس کی باتیں ذرا مشکل سے ہی سمجھ میں آتی ہیں۔ آپ کوئی خیال نہ کریں۔"

"اچھا نہیں کرتا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

اب وہ اپنے ماتحتوں اور انہیں ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ حویلی کے صدر دروازے پر تو بڑا سا تالا لگا ہوا تھا، لہٰذا انہیں کھڑکی کے ذریعے ہی اندر داخل ہونا پڑا۔ صحن سے ہو کر وہ خون آلود کمرے میں داخل ہوئے اور ٹھٹک کر رہ گئے۔ پولیس افسر ایک ایک چیز کو بغور دیکھنے لگا — آخر بولا:

"یہاں تو واقعی کوئی واردات ہوئی ہے اور یہ واردات قتل کی تھی۔"

"ہمارا بھی یہی خیال ہے جناب، اسی لیے تو ہم نے آپ کو فون کیا ہے۔"

"تم لوگ اس طرف کیسے آئے تھے؟"

"شیخ محمد منیر صاحب سے ملنے آئے تھے، لیکن حویلی کے دروازے پر تالا لگا نظر آیا۔"

"لیکن اندر کیوں داخل ہوئے۔ یہ تو غیر قانونی ہے۔"

"اگر اندر کوئی چور ہو اور گھر کو چور سے بچانے کی کوشش کر ڈالی جائے تو یہ جرم کس طرح ہو گیا جناب۔" فاروق نے بُرا مان کر کہا۔

"ہوں خیر، تم لوگوں کے بھی بیان لیے جائیں گے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

ماہرین کو فون کیا گیا — تصاویر لی گئیں۔ خون کا نمونہ لیا گیا۔

کمرے سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے۔ ان کی انگلیوں کے نشانات بھی لیے گئے۔ آخر پولیس افسر نے اپنا کام مکمل کر لیا اور ان سے بولا:

"اب آپ لوگوں کو میرے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔"

"بھلا ہم وہاں جا کر کیا کریں گے۔"

"بیانات لیے جائیں گے آپ لوگوں کے۔"

"بیانات آپ یہاں کیوں نہیں لے لیتے۔"

"نہیں، آپ لوگوں کے بیانات تھانے میں لیے جائیں گے۔ یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں، بہت سنگین ہے۔ قتل کا معاملہ لگتا ہے — کیا خبر کچھ عرصہ پہلے آپ لوگوں نے ہی قتل کیا ہو۔"

"ارے باپ رے، آپ تو الٹا ہمیں ہی قاتل بنائے دے رہے ہیں۔ جب کہ ہمارا اس واردات سے کوئی تعلق نہیں۔"

"یہ بات تم لوگوں کو ثابت کرنا ہوگی۔"

"جی بہت بہتر — کر دیں گے۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔ پولیس افسر نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ہمیں شیخ محمد منیر کا نیا ٹھکانا بھی ڈھونڈنا ہوگا۔ اس واردات کے بارے میں ان کے علاوہ شاید ہی کوئی کچھ بتا سکے۔" پولیس افسر نے کہا۔

"بالکل ٹھیک، ہمارا بھی یہی خیال ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اگر آپ ان کا ٹھکانا معلوم نہ کر سکیں تو ہماری خدمات حاصل کیجیے گا۔" فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔ محمود نے اسے گھور کر دیکھا۔

"کک، کیا مطلب؟" پولیس افسر زور سے چونکا۔

"جی ہاں، ہم اس کا نیا پتا آپ کو بتا دیں گے۔"

"تو تم جانتے ہو، وہ لوگ کہاں رہتے ہیں۔" پولیس افسر انہیں بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں بالکل — وہ دارالحکومت میں رہتے ہیں، لیکن افسوس، شیخ محمد منیر ان کے ساتھ نہیں رہتے۔"

"کیا — کیا مطلب؟" پولیس افسر نے چونک کر کہا۔

"شیخ محمد منیر کے بارے میں وہ لوگ کچھ بتانے کے لیے بھی تیار نہیں۔"

"لیکن اب — اب انہیں ضرور بتانا ہوگا۔ یہ قتل کا کیس ہے" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"یہ بات آپ کو ثابت کرنا ہوگی۔" محمود نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولا۔

"کیا خبر، یہ قتل کا کیس بالکل نہ ہو۔ اس کمرے میں صرف کوئی زخمی ہوا ہو۔"

"اس صورت میں زخمی کو مقدمہ درج کرانا چاہیے تھا، لیکن

اس نے نہیں کرایا، لہذا اس پر بھی مقدمہ چلایا جائے گا۔"

"ضرور چلائیے، لیکن چلا تو آپ اس وقت سکتے ہیں جب اس کا نام پتا آپ کو معلوم ہو۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"آپ پولیس کو کیا سمجھتے ہیں؟" اس نے بھنّا کر کہا۔

"پولیس۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اس وقت تو تم لوگ بیانات دینے کے لیے پولیس سٹیشن چل رہے ہو۔ اس کے بعد بھی اس شہر سے کہیں جانے کی کوشش نہیں کرو گے۔ ٹھہرے ہوئے کہاں ہو؟"

"یہیں، عرفان نامی صاحب کے ہاں۔" محمود نے کہا۔

"عرفان نامی، یہ کون صاحب ہیں؟"

"یہ میں ہوں۔"

"آپ کا ان لوگوں سے کیا تعلق؟"

"کوئی تعلق نہیں۔ میں نے تو بس انہیں اپنے ہاں رات گزارنے کی اجازت دی تھی۔"

"تب آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"لل، لیکن جناب میرا کیا قصور؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"یہ لوگ شک کی زد میں ہیں۔ آپ نے انہیں رات بھر ٹھہرایا ہے۔ کیا خبر آپ کا بھی ان سے کوئی گہرا تعلق ہو۔ یہ معاملہ مجھے بہت پراسرار نظر آ رہا ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ کو ہی کیا۔ پراسرار تو یہ ہمیں بھی نظر آ رہا ہے" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بس اب چلو۔ حویلی کو سیل کر دیا گیا ہے۔ آپ کو شیخ محمد منیر کے گھر کا پتا بتانا ہوگا، کیونکہ ہمیں ان سے بھی رابطہ قائم کرنا ہے"

"ہم پتا ضرور بتائیں گے، آپ بے فکر رہیں" خان رحمان بولے پولیس افسر نے پہلی بار ان کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور کچھ دبا دبا سا نظر آنے لگا۔

"آ۔ آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے؟"

"بہت گہرا۔ اتنا گہرا کہ اس سے زیادہ گہرا رشتہ ہو ہی نہیں سکتا" فاروق نے کہا۔

"میں نے تم سے نہیں۔ ان سے پوچھا ہے" اس نے تملا کر کہا۔

"میرا نام خان رحمان ہے۔ ریٹائرڈ فوجی ہوں"

"اوہ اچھا، چلیے جناب، پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے" اس کا لہجہ اچانک بدل گیا۔

کچھ دیر بعد وہ پولیس سٹیشن میں موجود تھے۔ عرفان نامی کو بھی نہیں بخشا گیا تھا۔ وہ بے چارہ کافی پریشان نظر آنے لگا تھا۔ اس کے پتلے دبلے جسم میں وہ ہلکی سی کپکپی صاف دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو ہماری میزبانی بہت مہنگی پڑی۔

"کک، کوئی بات نہیں" وہ ہکلا کر بولا۔

ان کے بیانات لیے گئے — شہر چھوڑ کر نہ جانے کی ہدایت کی گئی، اور پھر جانے کی اجازت مل گئی — اب ان کا رخ پھر حویلی کی طرف تھا — عرفان نامی کو بھی وہ ساتھ ہی لے آئے تھے۔ اسے ان کے گھر کے سامنے اتارا تو اس نے کہا:

"اور اب آپ کہاں جائیں گے؟"

"حویلی میں، اور کہاں" محمود مسکرایا۔

"لیکن حویلی تو پولیس نے سیل کر دی ہے"

"کوئی بات نہیں — ہم سیل کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے" یہ کہہ کر محمود آگے بڑھ گیا۔ عرفان نامی انہیں حیرت زدہ انداز میں دیکھتا رہا — آخر گھر میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔

"کیا تم لوگوں کا ارادہ واقعی پھر حویلی میں داخل ہونے کا ہے"

"ہاں انکل، اس کے سوا ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ پولیس نے حویلی کے صرف ایک کمرے کا جائزہ لیا ہے، جس میں سیاہ خون موجود ہے۔ باقی حویلی کی طرف اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ جبکہ ہم اس کی بہت ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے، جیسے حویلی میں کوئی سنگین جرم کیا گیا ہے"

"اللہ اپنا رحم فرمائے — اس معاملے کا ابھی تک سر پیر پلے

نہیں پڑا۔" فاروق بولا۔

"کوشش کریں گے تو پتّے پڑے گا، صرف باتیں بگھارنے سے تو کیس حل نہیں ہو جائے گا۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تو تمہارے خیال میں ہم نے رات سے اب تک کوئی کوشش ہی نہیں کی۔" فاروق جل بھن کر بولا

"ارے، یہ کون کھڑا ہے ؟" محمود چونکا۔ انہوں نے بھی دیکھا، حویلی کے دروازے پر سفید لباس میں وہ دور سے ہی چمک رہا تھا۔ لمبے قد کا وہ آدمی انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ان کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہو۔

"شاید ہم کوئی نئی الجھن مول لینے والے ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"الجھنوں کا اور ہمارا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یوں لگتا ہے، جیسے انہیں ہم سے بہت ہمدردی ہو گئی ہو۔"

"کن کو ؟" خان رحمان بے خیالی میں بولے۔

"الجھنوں کو۔"

"لیجیے، اب الجھنوں کو بھی ہمدردی ہونے لگی۔ دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"بس تمہیں تو کوئی موقع ملنا چاہیے، ران پر ہاتھ مارنے کا۔ پھر تم موقعے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"موقع چیز ہی ایسی ہے۔" محمود مسکرایا۔

"خاموش، ہم اس کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔ وہ کیا خیال کرے گا۔" خان رحمان نے انسپکٹر جمشید کے انداز میں بولنے کی کوشش کی اور وہ مسکرانے لگے۔

"آپ — آپ کون ہیں جناب، اور اس حویلی کے دروازے پر کیوں کھڑے ہیں ؟"

"مجھے تم لوگوں کا ہی انتظار تھا۔" اس نے پراسرار انداز میں کہا۔

"جی کیا مطلب ؟" وہ ایک ساتھ چونک کر بولے۔

بہت خوب

"مجھے رحیم ہاروت کہتے ہیں۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اگر آپ کریم ہاروت بھی ہوں، تو بھی کیا فرق پڑتا ہے۔"

فاروق بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ یہاں ہمارا انتظار کیوں کر رہے ہیں۔ آپ کا ہم سے کیا تعلق؟" محمود جلدی سے بولا۔ ساتھ ہی اس نے فاروق کو تیز نظروں سے گھورا۔

"آپ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں؛ البتہ میرا تعلق شیخ محمد منیر صاحب سے ضرور ہے۔"

"کیا مطلب؟" خان رحمان چونک کر بولے۔

"مطلب یہ کہ میں ان کا وکیل ہوں۔"

"اوہو، تب تو آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، لیکن آپ اس طرف کیسے نکل آئے۔ شیخ صاحب تو اب یہاں رہتے ہی نہیں اور

یوں بھی یہ حویلی سیل کی جا چکی ہے۔"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے — میں چونکہ شیخ صاحب کا وکیل ہوں، ان کی جائیداد کا نگران ہوں، اس لیے مہینے میں ایک بار ادھر کا چکر ضرور لگاتا ہوں۔ آج میں معمول کے مطابق چکر لگانے آیا تھا۔ سیل لگی دیکھی تو حیران رہ گیا — پڑوس کے لوگوں سے معلومات حاصل کیں تو آپ لوگوں سے ملنے کے لیے یہیں رک گیا۔"

"تب تو آپ یہاں بہت دیر سے کھڑے ہوں گے۔"

"نہیں، میں اپنی کار میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ وہ رہی میری کار — آپ لوگوں کو آتے دیکھ کر یہاں آ کھڑا ہوا، تاکہ آپ کسی اور طرف نہ مڑ جائیں۔"

انہوں نے دیکھا، حویلی کی دیوار کے سامنے ہی ایک سفید کار کھڑی تھی —

"آپ نے سارے حالات سن ہی لیے ہیں، پھر کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچے؟"

"ابھی تک نہیں۔" اس نے کہا۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں، شیخ محمد منیر کہاں ہیں؟"

"ان کے بارے میں بھی مجھے کچھ نہیں معلوم؛ البتہ کئی ماہ پہلے ان کا ایک خط ملا تھا۔ اس میں لکھا تھا، میں کچھ عرصے کے لیے دارالحکومت جا رہا ہوں۔ آپ میری حویلی اور زمینوں کی نگرانی کرتے

رہیے گا۔"

"تو ان کی کچھ زمینیں بھی ہیں۔"

"ہاں۔" رحیم ہاروت نے کہا۔

"آپ کے خیال میں حویلی میں کیا واردات ہوئی ہے؟"

"بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھے تو ان کے یہاں سے جانے کے بعد ہی ان کا خط ملا تھا اور بہت حیرت ہوئی تھی کہ اچانک انہوں نے دارالحکومت جانے کا پروگرام کیوں بنا لیا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ حویلی کے ایک کمرے میں کوئی واردات ہوئی تھی اور لوگ تو خیال ظاہر کر رہے ہیں کہ قتل کی واردات ہوئی تھی۔ اللہ اپنا رحم کرے۔"

"آمین۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"اس کا مطلب ہے، آپ بھی ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

"میں تو خود آپ سے معلومات حاصل کرنے ٹھہر گیا تھا۔ آخر آپ لوگ کون ہیں، یہاں تک کس طرح پہنچے۔ کیا شیخ محمد منیر یا ان کے گھر والوں نے آپ کو ادھر بھیجا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ حالات عجیب و غریب ہیں، ہم وضاحت نہیں کر سکتے، لیکن آپ کو اتنا ضرور بتا سکتے ہیں کہ شیخ محمد منیر صاحب نے دارالحکومت میں فاضل روڈ پر ایک کوٹھی لے رکھی ہے۔ اس کا نمبر ۳۲۱ ہے، لیکن وہ اس کوٹھی میں نظر نہیں آئے۔ ان کی بیوی اور

بیٹا کسی کو ان کے بارے میں بتانے پر تیار نہیں۔ یہی الجھن ہمیں یہاں تک لائی تھی، لیکن یہاں آ کر الجھن اور بڑھ گئی۔"

"آپ لوگ تو میری الجھن میں بھی اور اضافہ کر رہے ہیں۔" وکیل نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔ شاید اس طرح ہماری الجھنیں ہلکی ہو جائیں۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اور کیا پولیس کسی نتیجے پر پہنچی؟"

"ابھی تک نہیں۔ کمرے میں موجود خنجر اور دوسری چیزوں پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے جائیں گے۔ اس کے بعد شاید کچھ معلوم ہو سکے۔"

"آپ لوگوں کا اب کیا پروگرام ہے۔"

"ہمیں پولیس نے شہر سے باہر جانے سے روک دیا ہے، لہٰذا ابھی ہمیں یہیں رکنا پڑے گا۔"

"اوہ، تب تو آپ میرے ہاں چل کر رہیے۔"

"جی نہیں شکریہ، ہمیں یہاں ایک عدد میزبان مل گئے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اور ان کا نام کیا ہے۔ شاید میں آپ لوگوں سے ملنے کے لیے پھر بھی آؤں۔"

"وہ رہا ان کا مکان۔ نام ہے عرفان نامی۔"

"بہت بہت شکریہ — اب میں چلوں گا" اس نے کہا۔

وہ اسے کار میں بیٹھ کر جاتے ہوئے دیکھتے رہے — یہاں تک کہ کار نظروں سے اوجھل ہوگئی —

"اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے" خان رحمان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"وہی، جو پہلے تھا"

"پہلے تھا، کیا مطلب؟" خان رحمان بولے۔

"یعنی حویلی میں داخل ہونے کا — یہ حویلی حد درجے پراسرار ہے۔ ہمیں اگر کچھ معلوم ہوسکتا ہے تو اس حویلی سے" محمود بولا۔

"تو پھر بسم اللہ کرو، کیونکہ مارے بے چینی کے میرا بہت برا حال ہے"

"ہمارا بھی آپ سے کم بُرا حال نہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی پریشان کر رہی ہے کہ ہم دن کی روشنی میں ایک سیل شدہ حویلی میں داخل ہو رہے ہیں — اگر کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا" فاروق بولا۔

"وہی حال ہوگا، جو خدا کو منظور ہوگا"

"بات تو ٹھیک ہے۔ تب تو پھر چلو" خان رحمان نے کہا۔

"لیکن چلیں کیسے — کیا مجھے ایک بار پھر پائپ کے ذریعے اوپر پہنچنا ہوگا" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں، کیوں کہ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔ پولیس کھڑکیوں

کو پھر سے بند کر گئی ہے"

"تب تو مجبوری ہے، لو میں چلا، خدا حافظ"

"خدا حافظ — اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اب اندر کوئی حملہ آور نہیں ہو سکتا"

"ہاں، یہ اطمینان ضرور ہے" فاروق نے کہا اور پائپ کی طرف چلا — جلد ہی وہ چھت تک پہنچ گیا۔ وہ کھڑکی کی طرف آگئے۔ اور اس کے کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔

اچانک وہ اچھل پڑے۔ انہوں نے چیخ کی ایک ہلکی سی آواز سنی تھی اور یہ چیخ فاروق کے علاوہ کسی کی نہیں تھی۔ ان کی حیرت اور خوف کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، کیونکہ تھوڑی دیر پہلے پولیس حویلی کو سیل کر چکی تھی، پھر بھلا اندر کوئی کس طرح موجود ہو سکتا تھا، لیکن فاروق بھی بلا وجہ تو چیخ نہیں سکتا تھا۔

"انکل، ہم نے غلط اندازہ لگایا تھا — میں پائپ کے ذریعے اوپر جا رہا ہوں"

"اور میں بھی" فرزانہ بے تابانہ لہجے میں بولی۔

"اچھا — اچھا — جلدی کرو، مجھے بھی بہت گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے" خان رحمان بولے۔

"آپ پائپ کے ذریعے اوپر آنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔ ہم جلد از جلد کھڑکی کھولنے کی کوشش کریں گے"

"اچھا" وہ بولے۔

محمود اور فرزانہ پائپ کی طرف دوڑ پڑے۔ اب انہیں اس بات کی بھی پروا نہیں رہ گئی تھی کہ کوئی انہیں اوپر چڑھتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ دونوں آگے پیچھے اوپر چڑھتے چلے گئے۔

"محمود، میں چھت پر ٹھہروں گی۔ تم نیچے جاؤ، تاکہ ہم دونوں ہی چوٹ نہ کھا بیٹھیں" فرزانہ نے چھت پر پہنچ کر کہا۔

"ٹھیک ہے" محمود بولا اور دبے پاؤں زینہ اترنے لگا۔

صحن میں اسے فاروق بے ہوش پڑا نظر آیا۔ چاروں طرف بغور دیکھنے پر بھی کوئی نظر نہ آیا۔ صحن میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی، جہاں کوئی چھپ سکتا؛ چنانچہ وہ آگے بڑھا اور فاروق پر جھک گیا۔

"فاروق، تمہیں کیا ہوا۔ بے ہوش کس خوشی میں ہو گئے" اس نے اس کا کندھا پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

لیکن فاروق ٹس سے مس نہ ہوا۔ چاروں کمروں کے دروازوں پر تالے لگے ہوئے تھے۔ دائیں طرف مڑنے والا برآمدہ تاریک پڑا تھا۔ حویلی میں اگر کوئی دشمن تھا تو اس برآمدے میں ہو سکتا تھا یا پھر اوپر والی منزل پر۔ اچانک اس نے قدموں کی آہٹ سنی چونک کر برآمدے کی طرف دیکھا تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہی نقاب پوش اس کے سامنے کھڑا تھا اور ہاتھ

میں پستول بھی موجود تھا۔

⊙

"خاموش رہو" اس نے آواز نکالے بغیر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اشارا کیا، پھر دبی آواز میں بولا:

"اپنی بہن سے کہو، نیچے آجائے، کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر تم نے یہ الفاظ نہ کہے تو گولی مار دوں گا۔ اس بار میرے ہاتھ میں نقلی پستول نہیں ہے" اس نے یہ الفاظ اس حد تک آہستہ آواز میں کہے کہ صرف محمود سن سکے، لیکن دوسرے ہی لمحے فرزانہ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں خود ہی آرہی ہوں۔ بلانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ اس بار تمہارے ہاتھ میں نقلی پستول نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ تم چاہتے کیا ہو؟" وہ چونک اٹھا۔ فرزانہ سیڑھیاں اتر رہی تھی اور اس کے چہرے پر دل کش مسکراہٹ تھی۔

"میں یہاں کچھ تلاش کرنا چاہتا ہوں" اس نے کہا۔

"کچھ کیا، اس چیز کا کوئی نام تو ہو گا" فرزانہ بولی۔

"ابھی تمہارا ایک ساتھی باہر موجود ہے نا؟" اس نے جیسے فرزانہ کا سوال سنا ہی نہیں۔

"ہاں، تو پھر....." محمود نے منہ بنایا۔

"دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ میں کھڑکی کھول کر اسے بھی اندر بلا لیتا ہوں۔ اس طرح تم ایک جگہ جمع ہو جاؤ گے اور میرے مقابلے میں آسانی محسوس کرو گے۔"

"مشورہ نیک ہے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"نیک آدمی نیک ہی مشورہ دیا کرتے ہیں۔" اس نے کہا۔

محمود اور فرزانہ نے منہ دیوار کی طرف کر لیے۔

"اب دیوار کی طرف بڑھتے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ تمہارے منہ دیوار سے جا لگیں — ہاتھ سر سے بلند کر کے ہتھیلیاں دیوار سے لگا دو۔ جونہی تم نے ہتھیلیاں دیوار سے ہٹانے کی کوشش کی، پستول سے دو گولیاں نکلیں گی اور کام تمام ہو جائے گا۔"

"کس کا؟" فرزانہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"میرا بھی اور تمہارا بھی۔" وہ بولا۔

"اچھا دوست، تم اپنی شامت کو آواز دے ہی چکے ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"اپنی نہیں، تم لوگوں کی — اگر ایسا نہ ہوتا تو تم یہاں کیوں آتے۔" وہ ہنسا۔

دونوں اس کی ہدایت کے مطابق دیوار سے جا لگے۔

"اب میں کھڑکی کھولنے جا رہا ہوں — مہربانی فرما کر مڑ کر نہ

دیکھنا۔ اگر مڑ کر دیکھا تو میں کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔"

"اچھا۔" محمود بولا۔

انہوں نے اس کے جاتے قدموں کی آواز سنی۔ محمود نے فوراً پلٹ کر دیکھا — لیکن وہ تو وہیں کھڑا تھا — صرف اس نے قدموں کی آواز پیدا کی تھی۔ بہت چالاک تھا۔

"بری بات ہے — میں نے تم سے کہا تھا کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔"

"اس نے تو یوں ہی مذاق میں پیچھے دیکھا تھا۔" فرزانہ بولی۔

"سنو، میری بات یاد رکھو۔" یہ کہتے وقت وہ ان کے نزدیک آ گیا اور بولا:

"میں تم تینوں کو اچھی طرح جانتا ہوں — تم انسپکٹر جمشید کے بچے ہو — کیوں ٹھیک ہے نا؛ البتہ تمہارا ساتھی انسپکٹر جمشید نہیں ہو سکتا — خیر تو میں کہہ رہا تھا،....."

ان الفاظ کے ساتھ ہی محمود اور فرزانہ دونوں کے سروں پر پستول دستے کی طرف سے لگا اور وہ نیچے گرتے چلے گئے۔

"اور اب میں تمہارے ساتھی کو نہایت اطمینان سے اندر بلاؤں گا۔" اس نے مسکرا کر کہا اور برآمدے کی طرف مڑ گیا۔ جلد ہی وہ کھڑکی تک پہنچ گیا — کھڑکی کھولتے ہوئے دیوار کے

ساتھ چپکا رہا۔ دوسرے ہی لمحے خان رحمان اندر آ کودے۔

"ہاں بھئی، کیا ....."

ان کے منہ سے کوئی اور لفظ نہ نکل سکا۔ پستول کا دستہ پوری طاقت سے ان کے سر پر لگا۔ وہ بھی گرتے چلے گئے۔ اس نے کھڑکی اندر سے بند کی، پھر انہیں بازوؤں سے پکڑا اور گھسیٹنے لگا، یہاں تک کہ برآمدے میں آ گیا — اب وہ چاروں پاس پاس لیٹے تھے۔

"اب تم لوگ میرے کام میں دخل اندازی نہیں کرو گے۔ میں اطمینان سے اپنا کام کر سکوں گا۔ کاش، میرے پاس تم لوگوں کو باندھنے کے لیے کوئی ڈوری بھی ہوتی — اس صورت میں مجھے کچھ زیادہ ہی اطمینان ہو جاتا۔ خیر، کوئی بات نہیں، جونہی تم میں سے کوئی ہوش میں آتا نظر آیا، میں ایک وار اور کر دوں گا۔" اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا اور اس کمرے کے دروازے پر جا کھڑا ہوا، جس میں سیاہ خون پھیلا نظر آیا تھا۔ چابیوں کا ایک گچھا اب اس کے دائیں ہاتھ میں تھا اور پستول بائیں ہاتھ میں۔ وہ باری باری چابیاں لگانے لگا، لیکن کامیابی نہ ہوئی، پھر کچھ سوچ کر ان کی طرف بڑھا اور محمود کی جیبوں کی تلاشی لی — ایک میں چابیوں کا گچھا موجود تھا — اب اس نے اس میں سے باری باری چابیاں لگائیں — آخر تالا کھل گیا —

"بہت خوب، چلو، تمہارا آنا میرے لیے مفید ثابت ہوا — اصل مسئلہ اس کمرے کا کھلنا ہی تھا — کتنے دنوں سے کوشش کر رہا تھا میں —"

اب وہ کمرے میں داخل ہو گیا اور ایک ایک چیز کو ٹھوک بجا کر دیکھنے لگا — اس نے دیواروں کو ٹٹولا۔ الماریوں کے اندرونی حصوں کا جائزہ لیا — دیواروں پر لگی تصویروں کے فریموں کے پچھلے حصوں کو دیکھا — آتش دان میں بکھری راکھ ہٹا کر فرش کا جائزہ لیا اور پھر اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ راکھ لوہے کے فرش پر پھیلی ہوئی تھی، جب کہ کمرے کا فرش لوہے کا نہیں تھا۔ اب اس نے بے تابی کے عالم میں راکھ ہٹائی اور یہ دیکھ کر تو اس کی باچھیں کھل گئیں کہ لوہے کے فرش کے ایک طرف ایک کنڈا لگا ہوا تھا۔ جوں ہی اس نے کنڈا اوپر اٹھایا، لوہے کا فرش نما تختہ نیچے گر گیا — ساتھ ہی اسے سیڑھیوں کی جھلک دکھائی دی۔

"وہ مارا — میں آخر کامیاب ہو گیا — میری محنت رنگ لائی۔"

خوشی اور جوش میں وہ ان چاروں کو بھول گیا اور سیڑھیاں اترتا چلا گیا —

اچانک اس کے نتھنوں میں ایک تیز گیس گھسی۔ اسے چکر آگیا — سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہ بیٹھتا چلا گیا —

پیٹی کھل رہی ہے

پولیس سٹیشن کے فون کی گھنٹی بجی — انسپکٹر صاحب نے ریسیور اٹھایا — دوسری طرف سے فوراً کہا گیا:

"ہیلو انسپکٹر صاحب، آپ شیخ محمد منیر صاحب کی حویلی کو سیل کر گئے تھے نا؟"

"ہاں کیوں، کسی نے سیل توڑ دی ہے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں، لیکن میں نے ان تینوں کو پائپ کے ذریعے حویلی میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔"

"کن تینوں کو —"

"وہی تینوں، دو لڑکے اور ایک لڑکی — جن کے ساتھ ایک مرد بھی ہے، لیکن مرد کو میں نے پائپ پر چڑھتے نہیں دیکھا۔"

"اور آپ کون ہیں اور کہاں سے فون کر رہے ہیں؟"

"میرا نام شیراز جان ہے۔ دو میل دور سے فون کر رہا ہوں — جلدی آئیے۔ ابھی وہ لوگ اندر ہی ہوں گے — آپ انہیں رنگے ہاتھوں

پکڑ سکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ — کیا آپ نزدیک ہی رہتے ہیں؟"

"جی ہاں، حویلی کے سامنے والا مکان میرا ہی ہے۔ اسی لیے تو میں انہیں اوپر چڑھتے دیکھ سکا ہوں — دراصل میرے کمرے کی کھڑکی حویلی کے پائپ کی طرف کھلتی ہے اور یہ سب کچھ میں نے اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے دیکھا ہے۔"

"وہ چاروں تو پہلے ہی میری نظروں میں کھٹک رہے تھے — آپ کھڑکی پر جمے رہیے۔ میں آرہا ہوں۔"

"جی بہت بہتر۔" شیراز جان نے کہا۔

ایک گھنٹے بعد پولیس کی گاڑیاں رکنے کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے باہر نکلا — پولیس انسپکٹر نے اس سے ہاتھ ملایا اور بولا:

"تو وہ لوگ ابھی اندر ہی ہیں؟"

"جی ہاں، بالکل — امید تو یہی ہے۔"

"تو آپ کو پوری طرح یقین نہیں ہے۔"

"پوری طرح یقین کس طرح ہو سکتا ہے، جب کہ میں فون کرنے دو میل دور موٹر سائیکل پر گیا تھا۔" شیراز جان نے بُرا مان کر کہا۔

"تب تو ہو سکتا ہے وہ کوئی کھڑکی کھول کر نکل گئے ہوں۔"

"اس صورت میں کھڑکی کھلی ملے گی اور یہ آپ کا کام ہوگا کہ انہیں گرفتار کریں۔ میرا فرض تو آپ کو اطلاع دینا تھا۔"

"ہاں، بہت بہت شکریہ — چلو بھئی، پہلے کھڑکیوں جائزہ لو — اگر سب کھڑکیاں بند ملیں تو پھر ہم سیل توڑ کر اندر داخل ہوں گے۔" اس نے کانسٹیبلوں کو حکم دیا۔

جلد ہی کانسٹیبلوں نے اسے رپورٹ دی کہ تمام کھڑکیاں بند ہیں —

"اس کا مطلب ہے، وہ چور ابھی اندر ہی ہیں۔ مسٹر شیراز جان آپ باہر ٹھہریں۔ کہیں انہیں گرفتار کرنے کے سلسلے میں آپ کے کوئی چوٹ ووٹ نہ لگ جائے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور وہ حویلی کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ سیل توڑی گئی۔ تالا کھول کر وہ اندر داخل ہو گئے۔ انسپکٹر نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ مل کر پوری حویلی کا جائزہ لیا — سب کمروں کو کھلوا کر دیکھا، لیکن ان تینوں کا کہیں نام و نشان بھی نظر نہ آیا — واردات والے کمرے کی طرف آتے ہی وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ تالا کھلا ہوا تھا اور دروازہ بھی تھوڑا سا کھلا ہوا تھا — وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، لیکن اندر کوئی نہیں تھا۔

"حیرت ہے، وہ کہاں چلے گئے — اس کمرے کا تالا کھلا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شیراز جان کا بیان غلط نہیں ہے۔ کھڑکیاں سب اندر سے بند ملی ہیں — تو کیا وہ واپس پائپ کے ذریعے باہر نکل گئے۔ اس صورت میں شیراز جان نے انہیں پائپ سے اترتے کیوں نہیں دیکھا؟"

اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

ایک بار پھر پوری حویلی کا جائزہ لیا اور آخر اپنے ماتحتوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اس کی نظریں شیراز جان پر جم کر رہ گئیں۔ شیراز جان گھبرا گیا۔

"خیر تو ہے جناب، آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟"

"وہ لوگ اندر کہیں بھی نہیں ہیں۔" انسپکٹر نے سرد آواز میں کہا۔

"تب وہ باہر نکل گئے ہوں گے۔"

"ہاں، کم از کم آپ کی یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ وہ لوگ اندر داخل ہوئے تھے، لیکن شاید آپ انہیں باہر نکلتے نہیں دیکھ سکے۔ وہ پائپ کے ذریعے ہی باہر نکلے ہیں۔"

"اوہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"خیر کوئی بات نہیں — میں ان کی تلاش شروع کروا رہا ہوں۔ اب انہیں چھوڑوں گا نہیں۔ وہ لوگ ضرور خطرناک مجرم ہیں۔"

"شکریہ جناب۔" شیراز جان نے کانپ کر کہا۔ انسپکٹر نے اس کے لمبے قد اور پتلے دبلے جسم پر ایک نظر ڈالی اور جیپ میں بیٹھ گیا — وہ انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا — جب جیپ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو بولا:

"حیرت ہے، وہ لوگ باہر کس طرح نکل گئے۔"

پھر وہ اپنے مکان میں داخل ہوا اور اسی کمرے میں آ گیا، جس

میں سے پائپ کو دیکھتا رہا تھا۔ بے خیالی میں اس نے پھر پائپ کی طرف دیکھا اور اچھل ہی تو پڑا — ایک اور شخص پائپ پر چڑھ رہا تھا۔ اس کے سر پر ہیٹ تھا اور ہیٹ نے اس کے سر کو نیچے تک چھپا رکھا تھا — وہ دھک سے رہ گیا۔

"نہیں، اب میں پولیس انسپکٹر کو فون نہیں کروں گا۔ وہ میری بات پر یقین نہیں کرے گا۔"

○

سب سے پہلے فاروق کو ہوش آیا — وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ پہلے تو خود کو ٹٹولتا رہا، پھر ان تینوں پر نظریں پڑیں۔ بس پھر کیا تھا۔ بے تحاشہ انہیں جھنجوڑنے لگا — آخر جلد ہی وہ ہوش میں آ گئے۔

"وہ — وہ کہاں گیا؟" محمود ہکلایا۔

"پتا نہیں، بے ہوشی کی حالت میں آنکھیں بند کر لیا کرتا ہوں۔" فاروق نے منہ بنایا — محمود اسے گھور کر رہ گیا، پھر بولا:

"نہ جانے کیا چکر ہے، وہ کیا کرتا پھر رہا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"آؤ، اسے تلاش کریں۔ شاید وہ حویلی میں ہی کہیں موجود ہو۔" فرزانہ بولی۔

چاروں اٹھے۔ پہلے تو اس کمرے کا جائزہ لیا اور آتش دان پر

نظر پڑتے ہی چونک کر رہ گئے۔ جوش کی حالت میں نقاب پوش کو دروازہ بند کرنے کا خیال نہیں رہا تھا۔

"اف خدا، حویلی کے نیچے تو تہہ خانہ ہے۔" فرزانہ نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔

آواز کی کپکپاہٹ کو بے لگام نہ ہونے دو، کہیں وہ سن نہ لے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ تہہ خانے میں موجود ہے۔" فاروق بولا۔

"ہوں، اب ہم رک نہیں سکتے۔ ہمیں بھی نیچے جانا ہوگا۔" محمود نے بے تاب ہو کر کہا۔

"تو پھر آؤ، بسم اللہ کرو۔"

چاروں نیچے اُترے۔ محمود نے دروازہ بند کر دیا۔ اب نیچے گھپ اندھیرا ہو گیا۔ محمود نے جیب سے پنسل ٹارچ نکال لی اور کر ہی کیا سکتا تھا ٹارچ کی روشنی نیچے ڈالی۔ اسی وقت تہہ خانے میں روشنی ہوگئی اور نقاب پوش کی آواز سنائی دی۔

"بہت خوب، تو تم بھی آ پہنچے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

"تم ہمیں اوپر ہی چھوڑ آئے تھے۔ ہم نے سوچا، کیوں نہ ہم بھی اس مہم میں تمہارا ساتھ دیں۔ بس یہی سوچ کر چلے آئے۔" فاروق نے کہا۔

"تم نے اچھا کیا۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں تہہ خانے کا دروازہ

کھولتے ہی نیچے اتر گیا۔ اندر کی بند ہوا نے مجھے بے ہوش کر دیا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا، ورنہ اس وقت پستول تمہارے ہاتھ میں ہوتا اور میں تمہارے سامنے ہاتھ اٹھائے کھڑا ہوتا۔"

"چلو اچھا ہی ہوا، پستول ہمارے ہاتھ نہیں آیا۔ ہم تو پہلے ہی ان پستولوں کے ہاتھوں میں آنے سے گھبراتے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تم بھی عجیب ہو۔ ہر وقت عجیب و غریب جملے بولتے رہتے ہو۔" اس نے اسے گھورا۔

"یہ اس کی عادت ہے۔ ہم دروازہ بند کر آئے ہیں؛ گویا ہوا پھر کثیف ہو جائے گی اور ہمارے دم گھٹنے لگیں گے۔ اس سے پہلے کہ ایسا وقت آئے، کیوں نہ ہم یہاں اپنا کام مکمل کر لیں۔" فرزانہ نے گویا تجویز پیش کی۔

"اپنا کام۔ کون سا اپنا کام؟"

"وہی، جو تم کرنے آئے ہو۔ آخر تم کس چیز کی تلاش میں ہو۔ اور اس سے بھی پہلے تو یہ پوچھنا چاہیے کہ تم ہو کون؟"

"میں۔ بس میں ہوں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"بھئی واہ، کتنا اچھا تعارف ہے۔" فاروق بول پڑا۔

"اب اگر تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھائے رہو، تو میں اپنا کام شروع کر سکوں۔"

"ہاں ضرور، کیوں نہیں ــ" انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

وہ پستول ان کی طرف تانے ہوئے تہہ خانے کے درمیانی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس جگہ لکڑی کی ایک بہت بڑی اور پرانی پیٹی رکھی تھی اور پیٹی کے ساتھ ہی ایک قبر بنی ہوئی تھی۔ تہہ خانے کا فرش کچا تھا اور کچے فرش پر قبر انہیں خوف زدہ کیے دے رہی تھی۔ قبر پر ان کی نظر پہلی بار پڑی تھی، کیونکہ نیچے اترتے ہی تو انہیں نقاب پوش کی طرف متوجہ ہونا پڑ گیا تھا۔

"اف خدا، یہ قبر کس کی ہے؟" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"شیخ محمد منیر کی ــ اسی لیے تو وہ کہیں بھی موجود نہیں ہے۔" فاروق بول اٹھا۔

"تت، تو کمرے کے فرش پر ان کا خون پھیلا ہوا تھا؟" محمود ہکلایا۔

"ہاں، اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔" خان رحمان بولے۔

انہوں نے نقاب پوش کی طرف دیکھا۔ اس نے قبر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا، وہ پیٹی کی طرف متوجہ تھا اور ایک ہاتھ سے اسے کھولنے میں مصروف تھا، لیکن پیٹی پر کیلیں مضبوطی سے جڑی ہوئی تھیں۔

"کیا ہم پیٹی کھولنے میں آپ کی مدد کر سکتے ہیں؟"

"ہاں، ٹھیک ہے۔ تم چاروں اس کا ڈھکنا کھول ڈالو۔" اس

نے جلدی سے کہا۔

"اور اس قبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ محمود بولا۔

"قبریں بھی کہیں کھودا کرتے ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"تو تمہیں معلوم ہے، یہ قبر کس کی ہے؟" فرزانہ نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

"ہاں، معلوم ہے ــ اب پیٹی کھولو ــ وقت ضائع نہ کرو۔"

"جی بہت بہتر۔"

چاروں آگے بڑھے ــ ہاتھوں کی مدد سے ڈھکنا اکھاڑنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہے۔ ایسے میں تہہ خانے کے ایک کونے میں ایک کسی پڑی نظر آئی ــ محمود اس کی طرف جھپٹا اور اسے اٹھا لایا۔ اب اس نے کسی کے پھل کا ایک سرا پیٹی کے ڈھکنے کے نیچے پھنسایا اور زور لگایا۔ اس طرح پیٹی کے چند کیل اکھڑ گئے۔

"پیٹی کھل رہی ہے۔" فاروق نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ایک بار اور زور لگاؤ۔" نقاب پوش بولا۔

انہوں نے زور لگایا ــ کچھ کیل اور اکھڑ گئے۔ یہ دیکھ کر نقاب پوش نے جلدی سے کہا۔

"بس رہنے دو، پیچھے ہٹ آؤ۔"

"جی کیا کہا، رہنے دیں۔ پیچھے ہٹ آئیں۔" فاروق چونک کر

بولا۔

"ہاں، باقی کام میں خود کر لوں گا۔"

"لیکن ہم ہی کیوں نہ اسے پوری طرح کھول دیں۔"

"ہرگز نہیں، پیچھے ہٹ آؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"آپ بھی عجیب ہیں۔ بات بات پر گولی مارنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ لیجیے، ہٹ گئے پیچھے۔ کھول لیجیے خود ہی۔" فاروق نے لڑاکا عورتوں کے سے انداز میں کہا۔

وہ پیچھے ہٹ آئے۔ پستول بدستور ان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

"اس کسی کو بھی اٹھا لو اور اس قبر کے ساتھ ایک دوسری قبر کھود ڈالو۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"لیکن کس کے لیے؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

"اپنے لیے۔"

"اپنے لیے، بھلا کوئی خود ہی اپنی قبر کھودا کرتا ہے۔ آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا جناب۔" فاروق جل کر بولا۔

"ہاں، بعض اوقات آدمی کو اپنی قبر خود ہی کھودنا پڑتی ہے۔ اور ایسا اس وقت ہوتا ہے، جب وہ بلا ضرورت دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتا پھرے۔"

"لیکن ہم نے اس معاملے میں بلا ضرورت ٹانگ نہیں اڑائی۔ ہم نے اپنے کلاس فیلو کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔" محمود نے کہا۔

"اب اپنی آنکھوں میں آنسو دیکھ لینا۔"

"کیسے، یہاں تو کوئی آئینہ بھی نہیں۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ لینا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"خیر، اب تمہارا پروگرام کیا ہے؟"

"بتا تو چکا ہوں۔ اس قبر کے ساتھ ایک دوسری قبر کھود دو۔ میں تمہیں اس میں دفن کر کے اطمینان کا سانس لوں گا۔"

"اور اس کے بعد کیا کرو گے۔"

"اس کے بعد اس پیٹی کو اپنے قبضے میں لوں گا۔"

"لیکن اس میں ہے کیا؟"

"یہ بات تم لوگوں کے جاننے کی نہیں، چلو کھود دو قبر۔"

یہ کہہ کر وہ خود پیٹی کی طرف بڑھا اور ڈھکنے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم نے کھدائی شروع نہیں کی۔ خیر، تمہاری مرضی۔ میں اس طرح تم لوگوں کی لاشوں کو چھوڑ جاؤں گا۔ میرا کیا نقصان ہے۔ لو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس کا لہجہ کرخت ہو گیا۔

"ٹھہرو، کھودتے ہیں۔" محمود کچھ سوچ کر بولا۔

"کیا کر رہے ہو محمود، ہمیں کیا ضرورت ہے، اپنی قبریں خود کھودیں۔"

"بھئی، اس میں حرج ہی کیا ہے۔ آؤ، باری باری کھودیں

گے۔" محمود نے کہا اور کسی اٹھا لایا۔ اور قبر سے چند گز دور کھدائی شروع کر دی۔

"ویسے جناب، یہ ہماری زندگی میں پہلا اتفاق ہے کہ ایک قبر کھود رہے ہیں۔ ہم نے ایسا کام پہلے کبھی نہیں کیا۔"

"چلو اچھا ہے تجربہ ہو جائے گا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"تجربہ ہو جائے گا تو آپ اس طرح کہہ رہے ہیں، جیسے ہمیں مرنے کے بعد بھی یہی کام کرنا ہو۔"

"کیا خبر عالم ارواح میں کرنا ہی پڑ جائے۔"

انہیں اس پر بے تحاشہ غصہ آنے لگا؛ تاہم بے بس تھے۔ ابھی تک اس نے انہیں کوئی موقع نہیں دیا تھا کہ وہ جھپٹ پڑتے اور پستول اس کے ہاتھ سے چھین لیتے۔

قبر کھدتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ گڑھا کافی گہرا ہو گیا۔

"آکر دیکھ لیجیے جناب، آپ کتنی گہری قبر پسند کریں گے۔" محمود نے جل بھن کر کہا۔

"میں نہیں، تم اپنی پسند کی بات کرو۔ تم چاروں کو ایک ہی قبر میں سونا ہوگا، لہذا مناسب گہرائی ہونی چاہیے۔"

"میرا خیال ہے۔ ہم چاروں کے لیے بھی یہ کافی گہرائی ہے۔ آپ دیکھ لیں۔" فاروق بولا۔

"اچھا۔" اس نے کہا اور نزدیک آ گیا؛ تاہم پوری طرح چوکس

نظر آ رہا تھا۔

"ارے، یہ قبر میں کیا چمک رہا ہے؟" فرزانہ نے کانپتی آواز میں کہا۔

"کہاں؟" اس نے چونک کر کہا اور ایک دم قبر پر جھک گیا۔ یہی وہ موقع تھا، جس کا انہیں انتظار تھا۔ خان رحمان کا ایک دھپ پوری قوت سے اس کی کمر پر لگا۔ وہ سیدھا قبر میں جا گرا اس کے ساتھ ہی محمود نے کسی سے مٹی اندر پھینکی۔ بہت سی مٹی اس کی آنکھوں میں گری۔ پستول پہلے ہی اس کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ وہ بہت تیزی سے پستول کی تلاش میں ہاتھ چلا رہا تھا۔

"یہ یوں نہیں مانے گا۔ محمود، اس پر مٹی گرانے کا عمل جاری رکھو۔" خان رحمان چلائے۔

اور وہ تینوں کسی اور ہاتھوں کی مدد سے جلدی جلدی مٹی اندر گرانے لگے۔

"کیا بالکل ہی زندہ دفن کرنے کا ارادہ ہے؟"

اوپر سے آنے والی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ بوکھلا کر زینے کی طرف دیکھا تو وہاں ایک اور نقاب پوش کھڑا نظر آیا۔

"یا اللہ رحم۔ دوسرے نقاب پوش صاحب آ دھمکے۔" فاروق

نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

دوسرے نقاب پوش کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پستول چمک رہا تھا۔

مردہ

چند لمحے تک وہ سکتے کے عالم میں کھڑے رہے۔ اس دوران پہلا نقاب پوش قبر سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا، لیکن مسلسل برسنے والی مٹی نے اسے پستول تلاش کرنے کی مہلت نہیں دی تھی اور اب پستول قبر میں ہی کہیں موجود تھا۔ وہ آنکھیں بھی کھولنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے دوسرے نقاب پوش کو دیکھ رہا تھا۔

"تت، تت تم کون ہو دوست — ویسے تم عین وقت پر پہنچے۔ اگر چند منٹ اور نہ آتے تو انہوں نے تو مجھے زندہ دفن کر ہی ڈالا تھا —" اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"اس میں کوئی برائی بھی تو نہیں تھی۔ تم بھی تو ہمارے ساتھ یہی سلوک کرنے والے تھے —" فاروق جل کر بولا۔

"ہوں، تم نے بتایا نہیں دوست — تم کون ہو اور کس طرح یہاں تک پہنچ گئے —"

"مجھے اپنا دوست ہی سمجھو — جب سے تم اس حویلی کے پیچھے پڑے ہو، میں مسلسل تمہاری نگرانی کرتا رہا ہوں۔ دراصل حیرت مجھے یہ تھی کہ تم چاہتے کیا ہو — اب معلوم ہوا تم یہ پیٹی حاصل کرنا چاہتے تھے — کیوں ٹھیک ہے نا ؟"

"ہاں بالکل —" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"پھر اب تم نے کیا سوچا ہے ؟" دوسرے نقاب پوش نے کہا۔

"کس بارے میں ؟"

"اس پیٹی کے بارے میں، اور کیا —" دوسرا ہنسا۔

"یہ پیٹی میری ہے — میں ہی اسے حاصل کروں گا۔"

"لیکن اب تو تم مجھے حصہ دار بنانے پر مجبور ہو۔ اگر تم مجھے برابر کا حصہ دار بنا لو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

"ہم، میں سمجھا نہیں —"

"پہلے تو تم یہ بتاؤ، اس پیٹی میں ہے کیا ؟"

"نہیں، پہلے تم بتاؤ، تم کون ہو ؟"

"کہہ چکا ہوں، تمہارا دوست ہوں — ویسے میرا واسطہ جرائم پیشہ لوگوں سے رہتا ہے — یہی وجہ ہے کہ تم میری نظروں سے بچ نہیں سکے — اب اگر پیٹی کا نصف حصہ مجھے دینے پر آمادہ ہو تو میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گا — مثلاً یہ کہ ان چاروں کو اس قبر میں دفن کر دوں گا، پھر پیٹی کا نصف حصہ لے جانے میں بھی تمہاری مدد

کروں گا۔ میری مدد کے بغیر نہ تو تم ان چاروں پر قابو پا سکو گے اور نہ پیٹی ہی قبضے میں لے سکو گے۔"

"اور اگر میں نصف حصہ دینے سے انکار کر دوں ؟"

"اس صورت میں میں تم سب کو ختم کر دوں گا اور پیٹی پر خود قبضہ کر لوں گا۔" دوسرا بولا۔

"سوال یہ ہے کہ تم ایسا ہی کیوں نہیں کر لیتے، اسے نصف دینے کی ضرورت کیوں محسوس کرتے ہو۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"اس کی بہت اہم وجہ ہے —"

"اور میں وہ وجہ ہی جاننا چاہتا ہوں۔" پہلے نے کہا۔

"تو پھر سنو، اس میں کوئی شک نہیں، تم پانچوں کو موت کے گھاٹ اتار کر پیٹی پر قبضہ کرنا میرے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہو گا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی، لیکن اس طرح میں ساری عمر الجھن کا شکار رہوں گا کہ آخر یہ چکر کیا تھا اور الجھن کی زندگی گزارنا مجھے پسند نہیں، لہٰذا میں نصف تمہیں اس لیے دینا چاہتا ہوں کہ تم مجھے ساری تفصیل سنا دو — تم کون ہو، شیخ محمد منیر کمال ہیں — ان کے گھر کے افراد کو یہاں سے کن حالات میں جانا پڑا — یہ سب باتیں جب مجھے معلوم ہو جائیں گی تو میں اطمینان کا سانس لے سکوں گا۔"

"اور اس کے بعد تم مجھے بھی گولی مار دو گے۔" پہلا نقاب پوش طنز بھرے لہجے میں بولا۔

"نہیں ماروں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔"

"میں تمہارے وعدے پر کس طرح یقین کر سکتا ہوں۔"

"کہو تو بڑی سی قسم کھالوں۔"

"ہاں، کھاؤ اپنے بیوی بچوں کی قسم۔" اس نے کہا۔

افسوس، میں یہ قسم نہیں کھا سکتا۔" دوسرے نے کہا۔

"کیا مطلب؟" پہلا نقاب پوش چونک اٹھا۔

"میں صرف اور صرف اللہ کی قسم کھانے کا عادی ہوں، کیونکہ اسی کی اجازت ہے۔"

"خیر چلو، یہی سہی۔"

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں گولی نہیں ماروں گا۔"

"اب مجھے یقین آگیا، لیکن پھر بھی ڈر لگ رہا ہے۔"

"اگر یونہی ڈرتے رہے تو وقت ضائع ہوگا، لہٰذا جلدی جلدی سب کچھ بتا دو۔"

"اچھی بات ہے۔ لو سنو۔"

"ٹھہرو، سب سے پہلے تو میں یہ جاننا چاہتا ہوں، اس قبر میں کون دفن ہے — کیا شیخ محمد منیر؟" دوسرے نے تیز آواز میں کہا —

"نہیں، قبر میں شیخ محمد منیر نہیں ہے۔" اس نے کہا

"تو پھر کون ہے — دیکھو، جھوٹ سے کام نہیں چلے گا۔ میں

قبر کھود کر دیکھ سکتا ہوں۔"

"نہیں، میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا، تم تو میرے دوست ہو — میرا ساتھ دے رہے ہو، لیکن بہتر ہوگا کہ میں یہ کہانی شروع سے سناؤں۔"

"چلو یونہی سہی —" دوسرے نے جلدی سے کہا۔

محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ اچھی بھلی کامیابی خاک میں مل کر رہ گئی تھی؛ تاہم وہ اب بھی پوری طرح چوکس کھڑے تھے اور کسی موقعے کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے سنا، پہلا نقاب پوش کہہ رہا تھا:

"یہ آج سے تقریباً چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ ایک شخص شیخ محمد منیر کے پاس آیا۔ اس کا نام لالہ رام تھا۔ لالہ رام نے شیخ محمد منیر کو بتایا کہ کسی زمانے میں یہ حویلی اس کے باپ دادا کی تھی۔ عالمگیر جنگ کے موقعے پر انہیں حویلی چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور اس کے بعد یہ ان کے قبضے میں آگئی۔ لالہ رام ابھی یہاں تک ہی کہہ پایا تھا کہ شیخ محمد منیر بول اٹھے:

'تو کیا تم اپنی حویلی مجھ سے واپس لینے آئے ہو۔ اگر بات یہی ہے تو اس خیال کو دل سے نکال دو، کیونکہ یہ حویلی میں کلیم میں حاصل کر چکا ہوں۔'

'ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو ایک اور پیش کش لے کر آیا ہوں؛

لالہ رام نے جلدی سے کہا۔

'کیسی پیش کش ؟' شیخ منیر حیران ہو کر بولے۔

'دولت حاصل کرنے کی پیش کش — کیا آپ کروڑوں روپے کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟'

'کروڑوں روپے کی دولت — یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟' شیخ منیر نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

'بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں — اس حویلی میں ایک جگہ کروڑوں روپے کا خزانہ موجود ہے۔ اس جگہ سے سوائے میرے کوئی واقف نہیں۔ میرے باپ نے مرتے وقت اس جگہ کے بارے میں مجھے بتا دیا تھا' لہذا میں اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم مل کر اس دولت کو حاصل کر لیں اور اسے آپس میں تقسیم کر لیں۔ اگر آپ نے منظور نہ کیا تو میں خاموشی سے واپس چلا جاؤں گا اور پھر کوئی بھی اس دولت کو حاصل نہ کر سکے گا۔'

'اگر یہ بات ہے تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے — میں تیار ہوں۔'

ابھی یہ بات چیت ہو رہی تھی کہ ایک خنجر لالہ رام کی کمر میں آ کر لگا۔ خنجر دروازے میں سے آیا تھا۔ لالہ رام گر کر تڑپنے لگا۔ شیخ منیر گھبرا گئے۔ انہوں نے خنجر پکڑ کر لالہ رام کی کمر سے کھینچ لیا۔

لیکن لالہ رام نے اسی وقت دم توڑ دیا۔ شیخ منیر سکتے میں آ گئے۔ اب خنجر پر ان کی انگلیوں کے نشانات آ گئے تھے' لہذا انہوں نے فوری طور پر حویلی سے رخصت ہونے کا پروگرام بنا لیا۔ وہ اپنے اوپر قتل کا مقدمہ بننے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ بہت کمزور دل تھے ؛ چنانچہ سامان باندھا گیا' دو ٹرکوں میں لدوایا گیا۔ شیخ منیر نے خود کو ایک ٹرنک میں بند کر لیا — ہوا کے لیے اس میں سوراخ کر لیے' اس طرح وہ شہر پہنچ گئے — شیخ منیر نے شہر میں پہلے ہی ایک کوٹھی تیار کرا رکھی تھی۔ پرانی حویلی میں رہتے رہتے وہ تنگ آ گئے تھے ؛ چنانچہ اس وقت یہ کوٹھی کام آ گئی اور وہ وہاں جا کر رہنے لگے۔"

"لیکن وہاں تو شیخ منیر موجود نہیں ہوتے۔" دوسرے نقاب پوش نے چونک کر کہا۔

"مجھے اسی قدر معلوم ہے۔"

"اچھا خیر' پھر کیا ہوا ؟"

"پھر کیا ہونا تھا — کسی طرح مجھے اس چکر کا علم ہو گیا اور میں نے اس خزانے کو پانے کا پروگرام بنا لیا۔ اس حویلی کے چکر کاٹنے لگا۔ چابیوں کا ایک گچھا بنوایا اور پھر پائپ کے ذریعے اندر پہنچ کر تلاش شروع کر دی۔ لیکن یہ کام کرنے سے پہلے میں نے کئی ماہ تک انتظار کیا' تاکہ معاملہ بالکل دب جائے۔"

"لیکن اس لاش کا کیا بنا تھا؟ میرا مطلب ہے، لالہ رام کی لاش کا۔" فرزانہ بول پڑی۔

"اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ پریشانی کے عالم میں شیخ منیر کو اس تہہ خانے کا پتا چل گیا۔ انہوں نے تہہ خانے میں گڑھا کھودا اور لاش کو دفن کر دیا۔ پھر تہہ خانہ بند کیا۔ کمرے کے دروازے کو تالا لگایا اور بیوی بچے اور ملازم کے ساتھ شہر پہنچ گئے۔ انہوں نے سوچا ہوگا، کہ کافی عرصہ گزرنے پر خزانہ حاصل کرلیں گے، لیکن اس سے پہلے مجھے اس خزانے کی سن گن لگ گئی۔"

"لیکن کس طرح سن گن لگ گئی۔" دوسرا نقاب پوش بولا۔

"بس لگ گئی کسی طرح۔" اس نے گول مول جواب دیا۔

"نہیں دوست، تمہیں ساری بات بالکل سچ سچ بتانا ہوگی۔" دوسرے نقاب پوش نے سرد آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آخر تمہیں اس سارے معاملے کا پتا کس طرح لگ گیا۔ تم کون ہو؟"

"اچھا تو سنو، میں لالہ رام کا دوست ہوں۔ اس نے مجھ سے اس خزانے کا ذکر کر دیا تھا۔"

"اور تم اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے، پھر

جب لالہ رام شیخ منیر سے ملاقات کرنے حویلی میں داخل ہوا تو تم بھی کسی طرح داخل ہوگئے اور جب لالہ رام شیخ منیر کو خزانے کے بارے میں بتا رہا تھا تو تم نے خنجر اس کی کمر پر کھینچ مارا۔ کیوں یہی بات ہے نا دوست؟"

"نہیں نہیں۔ بھلا مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"خزانہ حاصل کرنے کی ضرورت کوئی معمولی ضرورت تو نہیں ہوتی تم نے سوچا ہوگا کہ شیخ منیر لالہ رام کے قتل کے جرم میں گرفتار ہو جائیں گے اور ان کے بعد تم آسانی سے خزانہ حاصل کر لوگے، لیکن شیخ منیر نے مقدمے میں الجھنے کی بجائے فرار ہونا پسند کیا۔ ایسے میں اتفاق سے انہیں تہہ خانے کا راستہ معلوم ہو گیا۔ تہہ خانے کے بارے میں لالہ رام نے انہیں بتا دیا تھا اور اس آتش دان کا فرش وہ لوہے کا پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ لہذا ان کا خیال فوری طور پر اس فرش کی طرف گیا۔ اس طرح وہ تہہ خانہ دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ انہوں نے اس وقت خزانے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، کیونکہ اس وقت تو انہیں لاش کی پڑی تھی۔ انہوں نے اپنے ملازم کے ذریعے لاش دفن کی۔ خود کو ٹرنک میں بند کیا اور شہر پہنچ گئے۔ اور کچھ ماہ گزرنے پر تم حرکت میں آ گئے؛ گویا تم ہی لالہ رام کے قاتل ہو۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"میں قاتل ہوں یا نہیں، اس سے بحث نہیں۔ میں ساری کہانی سنا چکا ہوں۔ اب تم ان چاروں کو قبر میں دفن کر دو۔ اس کے بعد ہم اس پیٹی کو آپس میں تقسیم کر لیں گے۔" پہلے نقاب پوش نے کہا۔

"لیکن اس کام سے پہلے میں یہ اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ کہیں اس قبر میں شیخ محمد منیر تو دفن نہیں ہیں۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ اس میں لالہ رام دفن ہے۔"

"میں کیسے یقین کر لوں، جب کہ تم نے بھی میری بات پر یقین نہیں کیا تھا۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں بھی اس بارے میں قسم کھاؤں۔"

"نہیں، اس قبر کو کھود دو — میں دیکھ کر ہی یقین کروں گا۔" دوسرے نقاب پوش نے کہا۔

"اس طرح وقت ضائع ہوگا دوست — آخر تم کیا کرو گے، لالہ رام کو دیکھ کر — اب تک تو شاید اس کی ہڈیاں تک گل سڑ گئی ہوں گی۔" اس نے کہا۔

"اتنی جلدی ایسا نہیں ہوتا — کسی سنبھالو اور کھدائی شروع کر دو، ورنہ میرا تمہارا معاملہ ختم — اس صورت میں مجھے ایک گولی اور ضائع کرنا ہوگی، لیکن ایک گولی کے معاوضے میں مجھے نصف خزانہ اور مل جائے گا، لہٰذا یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا۔ کیا خیال ہے؟" اس

بار دوسرے نقاب پوش کی آواز سرد ہو گئی۔ پہلا کانپ اٹھا اور بولا:

"اچھا، یونہی سہی — اگر تم میری باتوں پر اعتبار نہیں کرتے تو میں قبر کھود ڈالتا ہوں۔ خود ہی دیکھ لینا کہ اس میں کون دفن ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں یہی چاہتا ہوں۔" وہ بولا۔

پہلے نقاب پوش نے کسی اٹھائی اور قبر پر جٹ گیا۔ اس کے ہاتھ بہت تیزی سے چل رہے تھے۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان کا حال بہت بُرا تھا — دوسرے نقاب پوش نے آ کر ان کا کام خراب کر دیا تھا اور انہیں اس پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا، ورنہ وہ ایک ساتھ اس پر جھپٹ پڑتے؛ تاہم موقعے کی تلاش میں تھے۔

ادھر قبر میں تیزی سے گڑھا ہوتا جا رہا تھا۔ یہ خیال ان کے لیے خوف ناک تھا کہ قبر میں کہیں شیخ محمد منیر کی لاش نہ ہو — اچانک محمود زور سے اچھلا اور دوسرے نقاب پوش کی کمر سے جا ٹکرایا، اسے پوری امید تھی کہ اس کا دھکا نقاب پوش برداشت نہیں کر سکے گا اور منہ کے بل گرے گا، لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ نقاب پوش لڑکھڑا ضرور گیا تھا، گرا نہیں۔ فوراً ہی اس کا پستول ان کی طرف تن گیا۔ اس کی غرائی ہوئی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"آرام سے کھڑے رہو۔ اب اگر کوئی غلط حرکت کی تو نقصان

اٹھاؤ گے۔"

انہیں سانپ سونگھ گیا۔ جان گئے کہ مقابل کم پھرتیلا نہیں ہے اور ایسے پھرتیلے آدمی پر سوچے سمجھے بغیر ہاتھ ڈالنا مصیبت مول لینا تھا۔

"لو بھئی، میں قبر کی گہرائی تک پہنچ گیا ہوں۔ لاش کو دیکھنے کی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔ تم خود ہی قبر میں اتر کر دیکھ لو۔"

"ہوں، ٹھیک ہے، لیکن بہتر تو یہی تھا کہ تم لاش کو باہر گھسیٹ لاتے۔"

"یہ۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔"

"اچھا تو تم باہر نکل آؤ۔ میں ان کے ذریعے نکلوا لیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا کہا، ہم مردہ نکالیں گے قبر سے۔ ارے باپ رے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"مردہ آدمی کچھ نہیں کہتا۔ بے فکر ہو کر قبر میں اتر جاؤ اور مردے کو باہر گھسیٹ لو۔"

"تو یہ کام تم خود کیوں نہیں کرتے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"اور تم لوگوں کو پستول کی زد پر کون رکھے گا۔" اس نے بھنائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لائیے، پستول مجھے دیجیے۔ میں ان لوگوں کو زد پر رکھوں گا۔"

فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"تو تم مردے کو باہر نکالنے کا کام کیوں نہیں کر لیتے۔" وہ بولا۔

"نہ بابا، ڈر لگتا ہے۔ یہ کام ہم سے نہیں ہوگا۔"

"اپنے ساتھی سے کہو۔" دوسرا نقاب پوش خان رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"نن، نہیں۔ مجھ سے بھی یہ کام نہیں ہوگا۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم لوگ دراصل موقع محل دیکھ کر مجھ پر جھپٹ پڑنا چاہتے ہو لیکن میرا دعویٰ ہے، تم ایسا نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر میں پستول تمہارے ہاتھ میں دے دوں، تب بھی تم مجھ پر فائر نہیں کر سکو گے۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" پہلا نقاب پوش بولا۔

"جادو کے ذریعے۔ خیر، یہ لو۔ میں تمہیں اپنے جادو کا کمال دکھا ہی دوں۔" یہ کہہ کر اس نے پستول فاروق کی طرف بڑھا دیا۔

"لو بھئی، پستول۔ اس شخص کا خیال رکھنا۔ اگر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو بے شک گولی مار دینا، لیکن ٹانگوں پر مارنا۔"

"نج، جی۔ جی اچھا۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا اور تھرتھر کانپتے ہاتھ سے پستول پکڑ لیا۔ دوسرے نقاب پوش نے آؤ دیکھا نہ

تاؤ۔ قبر میں اتر گیا۔

"یہ — یہ تم کیا کر رہے ہو۔" پہلا نقاب پوش ان کی طرف مڑا۔

"دیکھ تو رہے ہو، کیا کر رہے ہیں — اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔"

"شاید تم لوگوں کا دماغ چل گیا ہے۔ بھرا پستول اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم اس شخص کا کانٹا کیوں نہیں نکال دیتے۔"

"لو بھئی محمود، اب پستول سے بھی کانٹا نکلنے لگا۔ ارے میاں، یہ کام پستول سے نہیں، سوئی سے لیا جاتا ہے۔" فاروق بولا۔

"تم، تم ضرور پاگل ہو — ارے وہ گڑھے میں اترا ہوا ہے۔ اب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ گولی مار دو اسے۔" پہلا نقاب پوش چیخ کر بولا۔

"اسے گولی مار دوں اور خود پھانسی پا جاؤں، تاکہ سارے کا سارا خزانہ تمہارے ہاتھ لگ جائے — بھئی واہ، ترکیب خوب ہے، لیکن افسوس میرا دماغ واقعی چل گیا ہے، لہذا میں اس پر عمل نہیں کروں گا۔"

"تت، تو کیا، یہ شخص واقعی جادوگر ہے۔" وہ ہکلایا۔

"پتا نہیں واقعی جادوگر ہے یا اتفاقی جادوگر۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"مجھے کیا، میرے ساتھ خود بھی بھگتو گے — یہ ہم پانچوں کو گولی مار دے گا، پھر ہمیں یہیں دفن کر دے گا — اس طرح اسے سارا خزانہ اسی وقت لے جانے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ جب جی میں آیا، نکال لے گیا۔"

"بالکل اس طرح، جس طرح علی بابا نکال لے جایا کرتا تھا۔" فاروق چہک کر بولا۔

"کون علی بابا۔" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ارے، تم علی بابا سے بھی واقف نہیں۔ الف لیلیٰ ہزار داستان والا علی بابا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اوہ، کیا فضول بات ہے۔"

"بھئی میں علی بابا کی بات کر رہا ہوں، کھل جا سم سم والے علی بابا کی۔"

"اچھا، دماغ نہ چاٹو۔ اپنا دماغ تو گنوا ہی چکے ہو۔"

"یہ بات تو تم نے بالکل ٹھیک کہی۔" محمود خوش ہو کر بولا۔

"میں کہتا ہوں، تم اس پر قابو کیوں نہیں پا لیتے۔" وہ چیخ کر بولا۔

"پہلے یہ تو دیکھ لیں کہ قبر میں سے کس کا مردہ نکلتا ہے۔ اگر اس سے پہلے ہم نے اس پر قابو پا لیا تو پھر مردہ کون نکالے گا۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"شاید تم سبھی پر اس کے جادو کا اثر ہو گیا ہے۔"

"ہاں، کیونکہ اس کا جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

اسی وقت انہوں نے دوسرے نقاب پوش کو گڑھے سے نکلتے دیکھا، پھر اس نے مردے کو کھینچ کر قبر کے کنارے ڈال دیا۔ تہہ خانے میں بدبو بھر گئی۔ ان کے لیے سانس لینا مشکل ہو گیا۔

مردے کے جسم پر اس کا اپنا لباس تھا اور وہ گل سڑ چکا تھا۔ چہرے کے نقش و نگار ابھی بالکل سلامت تھے۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی انہیں ایک عجیب سا احساس ہوا۔

سب کچھ

بدبو کے باوجود وہ تہہ خانے میں رکنے پر مجبور ہو گئے۔

"یہ — یہ کیا، ہمیں اس کا چہرہ جانا پہچانا کیوں لگ رہا ہے۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"پتا نہیں، ان چہروں کو کیا ہو گیا ہے، جسے دیکھو جانا پہچانا لگنے لگ جاتا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"اوہو — یہ — یہ تو شاید....." محمود ہکلا کر رہ گیا۔

"یہ تو شاید کے بعد تمہاری گاڑی ہمیشہ ہی اٹک جاتی ہے۔ کوئی نئی بات نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میں — میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس شخص کی شکل تو بالکل عرفان نامی سے ملتی ہے — اُف اللہ۔" محمود نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"لیکن عرفان نامی کو تو ہم بالکل زندہ سلامت دیکھ چکے ہیں۔ وہ بھلا اس قبر میں کہاں سے آ گیا، وہ بھی آج نہیں چھ ماہ پہلے۔"

فاروق حیران ہو کر بولا۔

"ہاں، یہ مردہ جسم عرفان نامی کا نہیں۔ آؤ، اب یہاں نہیں رکا جا رہا۔ اوپر چلیں۔" دوسرے نقاب پوش نے کہا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔ پستول ابھی تک فاروق کے ہاتھ میں تھا اور پہلے نقاب پوش کا مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔

"چلیے جناب، آپ بھی چلیے یا پھر اس مردے کے ساتھ ہی رہنے کا ارادہ ہے۔" محمود بولا۔

"نن، نہیں — میں تو یہاں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔" اس نے کانپ کر کہا اور دوسرے نقاب پوش کے پیچھے لپکا — پہلے وہ دونوں نکلے — وہ ان کے پیچھے چلے — کمرے میں پہنچے تو دونوں نقاب پوش آپس میں گتھم گتھا ہو رہے تھے۔

"ارے ارے، یہ کیا کر رہے ہیں؟" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا —

"اور کیا کرتے، حضرت تو بھاگ نکلنے کے چکر میں تھے۔" دوسرا بولا۔

دیکھتے ہی دیکھتے پہلا نقاب پوش بے دم ہو گیا اور بُری طرح ہانپنے لگا۔

"خزانہ حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا جناب، آپ کو ہانپنے سے محفوظ رہنے کی مشق کر لینی چاہیے تھی۔" فاروق گنگنایا —

"مم، میں تم لوگوں سے سمجھ لوں گا۔" وہ غرایا۔

"اب کیا سمجھ لوگے — سمجھنے سمجھانے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ ہاں، پہلے یہ کوشش کی ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔" فاروق نے کہا —

"چلو بھئی، اب تم اپنے چہرے سے یہ نقاب اتار دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمہارا نام ان لوگوں کو اس کے بغیر ہی بتا دوں گا۔"

"کک — کیا، مطلب؟"

"میں جانتا ہوں، تم کون ہو اور یہ سب چکر کیوں چلا رہے ہو۔" دوسرے نقاب پوش نے کہا۔

"اب ہم سے نہیں رہا جاتا، میں خود ان کا نقاب اتارتا ہوں۔" محمود نے جوش میں آکر کہا۔

"ہاں ضرور — لیکن ذرا سنبھل کر — کہیں یہ کوئی چال نہ چل جائے۔"

"اب یہ بے چارہ کیا چال چلے گا، جب کہ آپ یہاں موجود ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"یہ — یہ کیا — تم لوگ تو بالکل اپنوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔"

"تم نے ٹھیک کہا مسٹر نقاب پوش، یہ بالکل ہمارے اپنے ہیں۔

انہوں نے دراصل ہم پر جادو نہیں کیا تھا۔ بس فاروق کو پستول دیتے وقت انہوں نے ذرا اپنی اصل آواز منہ سے نکال دی تھی۔ اور اسی وقت ہمیں معلوم ہو گیا، یہ تو ہمارے ابّا جان ہیں۔"

"کک، کیا مطلب ؟" وہ ہکلایا۔

"بھئی، ابھی تک نہیں سمجھے اور چلے تھے خزانہ حاصل کرنے۔ یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"کیا ؟" پہلا نقاب پوش چلّا اٹھا۔

چند لمحے کی خاموشی کے بعد انسپکٹر جمشید نے اپنے چہرے سے نقاب اتار دیا اور بولے:

"اب تم بھی نقاب اتار دو بھئی، گرمی محسوس کر رہے ہو گے۔"

"اف خدا، یہ میں کس جال میں پھنس گیا۔"

"اپنے ہی پھیلائے ہوئے جال میں — اب ہم تمہیں ساتھ لے کر دارالحکومت جائیں گے۔"

"وہ — وہ کیوں ؟"

"دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کے لیے۔" وہ مسکرائے پھر خان رحمان سے بولے :

"خان رحمان، یہ بہت شرمیلا ہے — تم ہی ذرا اس کا نقاب اتار دو۔"

"اچھا۔" انہوں نے کہا اور آگے بڑھے — نقاب پوش نے بوکھلا کر خود ہی نقاب اتار پھینکا — انہوں نے دیکھا، ان کے سامنے عرفان نامی کھڑا تھا — آواز تو وہ جانی پہچانی محسوس کرتے رہے تھے، لیکن چونکہ وہ کسی قدر آواز بدلنے میں کامیاب ہو گیا تھا، اس لیے پوری طرح نہ جان سکے۔

"ارے، یہ تو عرفان نامی ہے، جس کے گھر میں ہم ٹھہرے تھے۔"

"ہاں، اور تم بھول رہے ہو۔ قبر سے برآمد کی جانے والی لاش کی شکل صورت بھی عرفان نامی سے ملتی جلتی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ ہاں، یہ بات تو ہم نے لاش کے چہرے پر نظر پڑتے ہی کہہ دی تھی —" محمود بولا۔

"لیکن ابّا جان، ایسا کیوں ہے ؟"

"اگر سبھی باتیں تم نے یہاں پوچھ لیں تو دارالحکومت چل کر اپنے کلاس فیلو کے گھر کیا سنو گے۔" انہوں نے کہا۔

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ تو کیا ہم واپس چل رہے ہیں۔"

"ہاں، بس پولیس کا انتظار ہے — میں آتے ہوئے فون کر تو آیا تھا۔"

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی اور وہی انسپکٹر صاحب نمودار ہوئے — لیکن اب ان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ جھینپے ہوئے انداز میں بولے:

"مجھے انسپکٹر صاحب نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"چلیے، یہ اور بھی اچھا ہے کہ انہوں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے، ورنہ یہ تو کسی کو بھی سب کچھ کبھی نہیں بتاتے۔ ہمیں بھی نہیں" — فاروق نے مسمسی صورت بنائی اور وہ مسکرانے لگے۔

آدھ گھنٹے بعد وہ واپس روانہ ہو رہے تھے۔

"آپ نے ان کا نام نہیں بتایا، نہ انہوں نے خود بتایا۔ ظاہر ہے، ان کا نام عرفان نامی تو ہو گا نہیں —"

"نہیں، تفصیل اب شیخ محمد منیر صاحب کی کوٹھی میں ہی بتاؤں گا —"

"اور شیخ محمد منیر کہاں ہیں؟"

"ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی —" وہ مسکرائے۔

تین گھنٹے بعد وہ سب شیخ محمد منیر صاحب کی کوٹھی میں موجود تھے — بیگم منیر، ان کا بیٹا حارث منیر اور ملازم فضل کریم عرفان نامی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"آخر یہ سب کیا ہے؟"

"آپ لوگوں کو وہ شخص اچھی طرح یاد ہو گا، جو شیخ صاحب سے

ملنے آیا تھا، اس نے اپنا نام لالہ رام بتایا تھا اور پھر کسی نے اس کی کمر میں خنجر دے مارا — شیخ صاحب نے خنجر اس کی کمر سے نکالا تو ان کی انگلیوں کے نشانات اس کے دستے پر آ گئے۔ اس چیز سے خوف زدہ ہو کر آپ لوگوں نے حویلی سے نکل آنے کا فیصلہ کیا۔ شہر میں اتفاق سے کوٹھی پہلے ہی تیار تھی — نہ بھی تیار ہوتی تو کسی ہوٹل میں قیام کیا جا سکتا تھا۔"

"لیکن ابا جان، شیخ صاحب کہاں ہیں؟" فرزانہ بے چین ہو کر بولی —

"وہ بھی ابھی آ جائیں گے، فکر نہ کرو۔"

"اب جلدی ساری تفصیل سنا دیجیے۔ ہم بہت بے تاب ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"مجھے تمہارے انکل اکرام کا انتظار ہے۔" انہوں نے کہا۔

ایک منٹ بعد اکرام اپنے ماتحتوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم —" اس نے کہا۔

"وعلیکم السلام —" کئی آوازیں ابھریں۔

"بیٹھ جاؤ اکرام — تھوڑی دیر بعد میں ایک قاتل تمہارے حوالے کروں گا۔"

"قاتل؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں انکل — بالکل اصلی قاتل، نقلی نہیں —" فاروق نے

مسکرا کر کہا۔

محمود اور فاروق نے اپنے کلاس فیلو حارث کو سکول میں بے تحاشہ آنسو بہاتے دیکھا تو یہ پریشان ہوگئے۔ انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت اس سے کچھ معلوم کرنا چاہا تو وہ انہیں اپنے گھر لے گیا۔ شاید وہ انہیں اپنے والد صاحب کے بارے میں تفصیل سنانا چاہتا تھا، تاکہ یہ ان کی مدد کر سکیں، لیکن ان کی والدہ نے منع کر دیا اور اسے خاموش رہ جانا پڑا۔ لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ الجھن کا شکار ہو چکے تھے۔ انہوں نے دوسرے شہر میں ان کی رہائش کا پتا چلایا، کیونکہ یہ لوگ صرف چھ ماہ پہلے اس کوٹھی میں آئے تھے۔ حالات پُراسرار سے تھے۔ میں نے ان تینوں کو خان رحمان کے ساتھ بھیج دیا، پھر خود بھی وہاں پہنچ گیا اور دُور رہ کر حالات اور واقعات کا جائزہ لیتا رہا؛ چنانچہ اس وقت ہم یہاں موجود ہیں۔ میں یہ کہانی چھ ماہ پہلے سے شروع کروں گا۔ جب شیخ محمد منیر اپنے بیٹے، بیوی اور ملازم کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے۔ انہیں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ ایک دن اچانک ایک شخص ان سے ملنے آیا۔ اُس نے اپنا نام لالہ رام بتایا؛ گویا وہ ایک ہندو تھا۔ اُس نے کہا:

"جس حویلی میں آپ رہ رہے ہیں، وہ میرے باپ دادا کی ہے۔"

"تب پھر میں کیا کروں۔ اب تو اس کا مالک میں ہوں، کیونکہ

یہ میں نے کلیم میں حاصل کی ہے۔"

"میں جانتا ہوں، اب آپ کی ہے۔ مجھے اس حویلی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے تو دلچسپی دراصل ایک اور چیز سے ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میرے باپ دادا بہت بڑے جاگیر دار تھے۔ انہوں نے ایک بہت بڑا خزانہ جمع کر رکھا تھا۔ عالمگیر جنگ شروع ہوئی تو وہ حویلی چھوڑ کر چلے گئے اور جلدی میں خزانہ بھی نہ لے جا سکے۔ مرتے وقت میرے باپ نے خزانے کا راز مجھے بتا دیا، لہٰذا میں یہاں آیا ہوں۔ صرف میں جانتا ہوں، خزانہ کہاں ہے۔ میری کوشش کے بغیر آپ خزانہ حاصل نہیں کر سکیں گے، لہٰذا ہم دونوں مل کر خزانہ حاصل کر لیتے ہیں اور اسے آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ خزانہ کہاں ہے؟"

"آیئے، میں تہہ خانے کا راستہ دکھاؤں۔" یہ کہہ کر وہ آتش دان کی طرف بڑھا اور راکھ ہٹانے لگا۔ یہی وہ وقت تھا، جب خنجر اس کی کمر میں پیوست ہو گیا۔ شیخ منیر بوکھلا اُٹھے۔ انہوں نے دروازے سے باہر نکل کر دیکھا، لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ واپس آئے تو لالہ رام کا جسم تڑپ رہا تھا۔ ان کا بیٹا اور بیوی دہشت زدہ انداز میں لاش کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بے خیالی میں خنجر کھینچ لیا۔ فوراً ہی لالہ رام ساکت ہو گیا۔ یہ گھبرا گئے۔ زیادہ گھبراہٹ اسی

وجہ سے ہوئی کہ خنجر کو چھو چکے تھے اور قاتل کا کہیں پتا نہیں تھا، لہٰذا انہوں نے لاش کو تہہ خانے میں دفن کرنے کی ٹھان لی اور پھر ٹرکوں میں سامان لاد کر یہاں آ گئے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"آپ ان کے ملازم کا ذکر بھول گئے شاید۔"

"نہیں، میں بھولا نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"آپ کو ان سب باتوں کا پتا کس طرح لگا۔" محمود نے کہا۔

"دوسرے یہ ابّا جان، کہ ابھی بہت سی باتیں ذہن میں صاف نہیں ہوئیں۔" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"تو انہوں نے ابھی اپنی کہانی ختم کہاں کی ہے۔ بس ذرا سانس کیا لیا کہ تم دونوں شروع ہو گئے۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"ہاں، یہی بات ہے — میں جب اس شہر پہنچا تو تم لوگوں کی کوششوں کو دیکھا تو بہت ہنسی آئی — میں تم لوگوں کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہا۔ یہاں تک کہ حویلی کے اندر بھی موجود رہا۔ لیکن حالات کا بالکل خاموشی سے جائزہ لیتا رہا، پھر وہاں کے میونسپل کمیٹی کے ریکارڈ روم سے پرانا ریکارڈ بھی نکلوایا اور اس طرح یہ بات معلوم کی کہ لالہ رام کا ایک بھائی اور تھا اور اس کا نام بالا رام تھا۔ اب چونکہ ملنے والی لاش لالہ رام کی ہے اور عرفان نامی سے اس کی شکل ملتی جلتی ہے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ

عرفان نامی نہیں، بالا رام ہے یعنی مقتول کا بھائی — اور دراصل اسی نے اپنے بڑے بھائی کو خنجر کھینچ مارا تھا — ان کے باپ نے دراصل خزانے کے بارے میں دونوں کو ہی بتایا تھا۔ دونوں خزانہ حاصل کرنے کے لیے ساتھ ہی اس شہر پہنچے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر انہوں نے پروگرام یہ طے کیا کہ پہلے صرف ایک بھائی جا کر حالات کا جائزہ لے اور خزانے کا سراغ لگانے کی خاموشی سے کوشش کرے؛ چنانچہ لالہ رام نے ایک حلیہ تبدیل کیا اور ملازمت حاصل کرنے کے بہانے شیخ میئر سے ملا۔ اتفاق کی بات کہ انہیں ان دنوں ملازم کی ضرورت بھی تھی۔ انہوں نے اسے فوراً ملازم رکھ لیا۔"

"اوہ —" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا

"تو ان کا ملازم دراصل لالہ رام تھا، تب پھر وہ اس روز اچانک تو ان کے پاس نہیں آ سکتا تھا۔"

"نہیں، اس نے ملازمت حاصل کرنے کے لیے وضع قطع مسلمانوں کی سی بنالی تھی۔ خزانے کا سراغ لگانے کے بعد اس نے اس تہہ خانے سے نکالنے کی بہت تدبیر کی، لیکن شیخ میئر اور ان کے بیوی بچوں کی موجودگی میں نکالنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہوا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ شیخ میئر کے علم میں لا کر خزانہ نکالا جائے اور پھر انہیں ختم کر دیا جائے، لیکن ہوا یہ کہ اس وقت تک دوسرے بھائی کی نیت بدل چکی تھی۔ وہ بھی موقعے کا منتظر تھا اور تاک میں تھا

وہ حویلی کے کھلے دروازے سے چوروں کی طرح اندر داخل ہوا۔
اس وقت لالہ رام سے بات کر رہا تھا، لہٰذا اس نے اپنے بھائی
کی کمر پر خنجر پھینک مارا۔ اس نے سوچا تھا کہ بھائی مر جائے گا
اور قتل کے الزام میں شیخ منیر گرفتار کر لیے جائیں گے۔ ان کی
عدم موجودگی میں وہ سارا خزانہ حاصل کر لے گا۔ شیخ منیر گھبرا
گئے اور حویلی چھوڑ کر شہر آ گئے۔ یہ معاملے کے دبنے کا انتظار کرنے
لگا۔ قریب ہی اس نے ایک مکان کرائے پر لے لیا تھا، تاکہ حویلی
نظروں میں رہے۔ قتل کر چکا تھا، اس لیے بہت خوفزدہ بھی تھا۔
ڈرتا رہا اور خزانہ حاصل کرنے کے لیے دیر کرتا رہا، لیکن پھر اس
نے محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان کو حویلی کے گرد چکر لگاتے
دیکھا اور فکرمند ہو گیا۔ آخر دخل دے بیٹھا اور ان سے پہلے
پائپ کے ذریعے اندر پہنچ گیا۔ ادھر میں وہاں پہنچ گیا اور اس
کی حرکات میری نظروں سے چھپی نہ رہ سکیں۔ یہ ہے کل کہانی؛
گویا چھ ماہ پہلے جس شخص کا قتل ہوا، وہ اس کا بڑا بھائی تھا۔
خزانے کے لالچ میں اس نے بڑے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ بڑا بھائی
شیخ صاحب کے ہاں ملازم ہو گیا تھا۔ خزانے کی بات کرنے کے لیے
وہ اپنی اصلی شکل میں آیا تھا، لیکن شیخ صاحب بھانپ گئے کہ
ان کا ملازم ہی دراصل لالہ رام ہے، لہٰذا انہوں نے بھی خود کو
پوشیدہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور گھر سے ملازم کے روپ میں نکل

آئے۔ دراصل انہیں خوف تھا کہ کہیں پولیس لاش دریافت نہ کر
لے اور خنجر پر سے ان کی انگلیوں کے نشانات نہ اٹھا لے، لہٰذا
انہوں نے خود کو پوشیدہ کر لیا۔ گھر کے تینوں افراد خوف کی لپیٹ
میں آ گئے تھے اور پھانسی کا خوف ہر وقت ان کے ذہنوں پر
سوار رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حارث عام طور پر آنسو بہاتا رہتا۔
پہلے سکول میں اس کے رونے کا جب زیادہ چرچا ہوا تو اس نے
سکول تبدیل کر لیا، لیکن نئے سکول میں پہلے ہی روز محمود اور فاروق
اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"سب باتیں واضح ہو گئیں، لیکن اب تک یہ نہیں بتایا کہ
شیخ منیر صاحب کہاں ہیں؟" خان رحمان بولے۔

"بھئی، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" انہوں نے کہا اور
مسکرانے لگے۔

"اوہ ہاں، واقعی۔" خان رحمان نے چونک کر کہا اور پھر
وہ سب مسکرانے لگے۔ ایسے میں فاروق بول اٹھا:

"انکل، آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اس کیس میں آپ نے ہمیں
ابا جان کی کمی محسوس ہونے دی۔"

"لیکن مجھے افسوس ہے، میں ان کی کمی پوری نہیں کر
سکا۔ میرا مطلب ہے، کیس پر سے پردہ نہیں اٹھا سکا۔" انہوں
نے بے چارگی کے انداز میں کہا۔

"کیسوں پر سے پردہ اٹھانا تو بس ابّا جان کی گھٹی میں پڑا ہے انکل — رنجیدہ نہ ہوں۔ اس معاملے میں تو یہ ہماری بھی دال نہیں گلنے دیتے" فاروق بولا اور وہ مسکرانے لگے۔

محمد ابوبکر
پاکستان ہو اُنٹ
ڈاٹ کام